زرِ گل
کوثر نیازی

زرِگُل

کوثر نیازی

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور — حیدرآباد — کراچی

فاروق نیازی کے نام

— جو میرا بیٹا بھی تھا، اور بھائی اور دوست بھی!

— جس کے اصرار پر مَیں نے اپنے کلام کا انتخاب شروع کیا تھا

مگر جب کتاب چھپنے لگی تو — !

وہ خود فرشتۂ اجل کی نگاہِ انتخاب میں آ گیا ؎

خاک بر فرقِ دولتِ دُنیا
من فشاندم خزانہ بر سرِ خاک

بارِ دگر

مجھ پر شاعری کی تہمت بچپن سے ہے، ایک زمانے میں —— کہ آتش جواں تھا —— 'زرِ گُل' اور 'بوئے گُل' کے نام سے میرے دو مجموعہ ہائے کلام بھی شائع ہوئے تھے جو اَب مدت سے مارکیٹ میں دستیاب نہیں۔ فاروق اور میرے بعض دوستوں کا تقاضا تھا کہ انھیں دوبارہ چھاپا جائے، مگر مَیں ان خامیوں سے آگاہ تھا جو نومشقی کی وجہ سے میرے کلام میں رہ گئی تھیں اس لیے ضروری معلوم ہُوا کہ ان دونوں مجموعوں سے اشعار کا کڑا انتخاب کیا جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ عدیم الفرصتی کے باوجود یہ مرحلہ طے ہُوا اور اب دونوں مجموعوں کا منتخب کلام کچھ نئی غزلوں، نظموں اور نعتوں کے اضافے کے ساتھ نذرِ قارئین ہے۔

زرِ گُل کے پہلے ایڈیشن کا دیباچہ حضرت مولانا امین احسن کے قلم سے تھا۔ اس کا ایک اقتباس اور بوئے گُل میں میرا پیش لفظ بھی اس نئے مجموعہ میں شامل ہے۔ اشعار کے نیچے حتی الوسع تاریخیں بھی دے دی گئی ہیں تاکہ قارئین کو میرے ذہنی ارتقا کے اس سفر میں قدم بقدم چلتے ہوئے کوئی دِقت محسوس نہ ہو۔

کوثر نیازی

اسلام آباد

۲۱- اپریل ۱۹۷۳ء

حضرتِ کوثر ـــــ جی ہاں، کوئی غبی، خواہ کتنا ہی مُنہ بنائے ـــــ مَیں تو "مولانا کوثر نیازی" کہنے کا ارتکاب نہیں کرنے کا ـــــ ارے غضب خدا، شاعر اور "مولانا" ـــ یعنی وقتِ واحد میں شعلۂ بے باک بھی، اور شب نم سرنگوں بھی ـــ ہاں تو، حضرت کوثر کے بارے میں، یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب تک مَیں نے اُن کے کلام کا مطالعہ نہیں کیا تھا، اس وقت تک میرا خیال تھا کہ، چونکہ وہ، ایک ہی سانس میں ـــ وزیر اور مولانا، دونوں ہیں - اس لیے ان کی شاعری ـــ اکتا دینے کی حد تک سپاٹ اور عبرتناک حد تک، مردُم آزار ہوگی -

لیکن یقین فرمائیے کہ جب مَیں نے ان کے کلام کا مطالعہ کیا تو بڑی مسرّت آفریں حیرت کے ساتھ مجھ کو یہ پتہ چلا کہ قُدرت نے ان کو وہ تمام شاعرانہ محاسن عطا کیے ہیں جو حقیقی شاعروں کو ودلیعت کیے جاتے ہیں - اور اس وقت مَیں نے آسمان کی جانب نظر اُٹھا کر اللّٰہ میاں سے کہا، کیوں صاحب، آپ یہ کھیل بھی کھیلا کرتے ہیں کہ: ـــ برآری خلیلے ـــــ ز بُت خانہ

کوثر صاحب کی انسانیت، شرافت، نکتہ سنجی اور ادب نوازی پہ تو، مَیں، پہلی ہی ملاقات میں ایمان لے آیا تھا - لیکن اب یہ کھلا کہ صرف وہ اچھے انسان نہیں، اچھے شاعر بھی ہیں - سچ ہے یہ قول کہ اچھا آدمی، بُرا شاعر نہیں ہوسکتا -

لگے ہاتھوں یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ شاعری کے دو لاینفک اجزا ہوتے ہیں - ایک تو اس کی معنویت اور دوسرے اس کی لفظیت ـــــ اور اسی بنا پر، جب ہم کسی کا کلام سنتے یا پڑھتے ہیں تو اس بات کو ذہن سے اوجھل نہیں ہونے دیتے کہ شاعر نے "کیا کہا ہے" اور "کیوں کر کہا ہے"؛

"کیا کہا ہے" پر نگاہ ڈالنے سے اس امر کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کا معیارِ تخیّل و فکر پست ہے، یا بلند ـــــ اور "کیوں کر کہا ہے"

پر غور کرنے سے، ایک آن میں پتہ چل جاتا
ہے کہ صاحبِ کلام واقعی شاعر ہے یا محض تُک بند
ہے۔ کوثر صاحب کے "کیا کہا ہے" سے تو یہ ضروری نہیں کہ مجھے
کلیتہً اتفاق ہو۔ اس لیے کہ اس کرۂ ارض کے دو آدمیوں کے مابین بھی
کامل ہم آہنگی ہو ہی نہیں سکتی۔ البتہ جب ان کے طرزِ بیاں ——— اور
اسلوبِ ابلاغ پر نگاہ ڈالتا ہوں تو یہ اندازہ کر کے مجھے بے کراں خوشی ہوتی ہے کہ
ان کا کلام، ایک ذی علم انسان کا کلام معلوم ہوتا ہے، ایسا ذی علم انسان جو الفاظ کی نوک پلک
اور ان کی خوش آہنگ نشست سے بخوبی واقف ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کی شاعری
میں جابجا اردو کے ائمۂ شاعری اور فارسی کے انبیائے سخن کی سی شیرینی و پختگی پائی
جاتی ہے ——— یہ صحیح ہے کہ ان کے کلام میں قلتِ مشق و کثرتِ مشاغل کی بنا پر کہیں کہیں خامیاں
نظر آتی ہیں لیکن ان خامیوں کے باوصف، ان کی شاعری میں اس قدر رسیلا پن ہے کہ قاری
کے ذہن کے کام و دہن کا ذائقہ خراب نہیں ہونے پاتا۔ آخر میں اپنے دل کی بات یہ بھی کہہ دوں کہ
یہ بڑا دردناک تماشہ ہے کہ قدرت کی سرکار نے تو ان کو شاعری کے واسطے پیدا کیا ہے۔ لیکن تقاضہ ہائے
روزگار نے ان کو سیاست کے خارزار کی طرف موڑ دیا ہے۔ ہاں، میں یہ بات تسلیم کرتا
ہوں کہ ایک ان کے سے کندن کی طرح کھرے انسان کا، سیاست کے میدان میں در آنا اربابِ پاکستان
کے حق میں بڑا نیک شگون ہے ——— مگر خالص ادبی نقطۂ نظر سے یہ صورتِ حال
نیک شگون کم اور سانحۂ عظیم زیادہ ہے۔ بہرحال، مشیتِ فطرت پر نگاہ کر کے مجھے
یقین ہے کہ انکے دماغ کی ساخت اور انکے عناصرِ ترکیبی کے تقاضے ایک نہ ایک دن، ان کی سیاست پر غالب آ کر،
اُن کو مصلّے سے بالجبر اٹھا، اور مسندِ ادب پر بٹھا کر دم لیں گے اور اس وقت ان کی شاعری
کے زرّیں اُفق پر ایک ایسا آفتاب جگمگا اٹھے گا جو قیامت تک غروب ہو ہی نہیں سکے گا۔

فلک دراز ترا، اے نگار ——— بن تو کرے
جفا کے تو بھی ہو قابل، خدا وہ دن تو کرے

جوش مرحوم
۹/۸/۷۲

حرفِ آغاز

شعر و ادب اور مطالعہ کی طرف طبیعت بچپن ہی سے مائل تھی۔ غالباً میں تیسری جماعت میں پڑھتا تھا، جب سکول کی لائبریری سے پہلے پہل کتاب جاری کرائی۔ مجھے آجتک یاد ہے کہ وہ سکھوں کے مذہبی پیشوا گورونانک کی سوانحعمری تھی۔ پانچویں جماعت میں سب سے پہلی نظم لکھی، یہ ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں مگر قافیہ، ردیف اور وزن کے لحاظ سے بالکل درست ایک دُعا تھی جو بچوں کے پسندیدہ اخبار "پھول" (مرحوم) میں شائع ہوئی۔ ہمارا اسکول اس زمانے میں آٹھویں جماعت تک تھا۔ مگر اس کی لائبریری بہت اچھی تھی۔ کم از کم تین ہزار کتابیں اور اچھی منتخب کتابیں اس میں موجود تھیں۔ آٹھویں جماعت تک پہنچتے پہنچتے "کرم کتابی" بن کر میں یہ سارا خزانہ چاٹ چکا تھا۔ میرا قاعدہ تھا کہ کتاب پڑھ چکنے کے بعد اس پر دستخط ثبت کر دیا کرتا تھا۔ آج بھی لائبریری کی ان کتابوں پر بہت سے دستخطوں میں میرے نام کے ساتھ "کتابوں کا کیڑا" کے الفاظ ملتے ہیں۔ یوں سمجھیے یہ اس زمانے میں میرا تخلص تھا۔ اکثر اساتذہ اور طالبعلم مجھے اسی تخلص سے یاد کرتے تھے۔

ہمارے سکول میں ان دنوں "بیت بازی" کی مجلسیں ہوا کرتی تھیں۔ طریقہ یہ تھا کہ چیدہ چیدہ لڑکے دو گروپوں میں بٹ جاتے اور ایک دوسرے کے مقابلے میں شعر خوانی کرتے۔ قاعدے کی رُو سے ضروری تھا کہ ایک فریق کے شعر کے آخر میں جو حرف ہوتا دوسرا فریق اس کے جواب میں ایسا شعر پیش کرے جو اُسی حرف سے شروع ہو۔ میں بیت بازی کی ان مجلسوں میں ہمیشہ اول آتا۔ بارہا ایسا ہُوا کہ فریقِ مخالف نے ایک مشکل سا شعر پڑھ دیا اب قواعد کے مطابق کوئی شعر یاد نہیں مگر میں چند لمحوں میں تُک بندی کر کے لفظوں کو جوڑ جاڑ کر شعر جڑ دیتا اور سننے والے مُنہ دیکھتے رہ جاتے۔ مجھے آج تک یاد ہے کہ ایک مرتبہ بیت بازی کی اس مجلس میں دوسرے گروپ نے ایک ایسا شعر پیش کیا جس کا آخری حرف "ڈھ" تھا۔ حافظے پر بہت زور دیا مگر اس حرف سے شروع ہونے

والا کوئی شعر ذہن میں نہ آیا (اور حقیقت یہ ہے کہ نہ
اب آتا ہے) میں نے فی الفور تُک بندی کا دیہی فن استعمال کیا اور
کھٹ سے یہ "تحسین و جمیل" شعر پیش کر دیا ؎

ٹھک ٹھک کی صدا آ رہی ہے کانوں میں
بیٹھے ہیں لوہار اپنی دُکانوں میں

ہائی سکول میں داخلہ لینے کے بعد میں نے گاؤں میں "بزمِ ادب" قائم کی۔
ہمارے تھانے کے انچارج چوہدری صدرالدین درد ایک باذوق آدمی تھے۔
بزم کی اکثر نشستیں انہی کی صدارت میں منعقد ہوتیں اور ان میں گاؤں کے پڑھے لکھے
لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوتے۔ اپنے پچھلے کاغذات کھنگالتا ہوں تو ابتدائی زمانے کے
ان اشعار کا آج بھی بڑی دلچسپی سے مطالعہ کرتا ہوں۔

۱۰ ایک دوست کی یاد میں ؎

اب بھی شب کو آسماں پر ٹمٹماتے ہیں چراغ
مے لُٹاتا ہے اسی صُورت محبت کا ایاغ
اب بھی کلیاں مسکراتی ہیں گلوں پر ہے نکھار
مدھ بھری آنکھوں سے نرگس کی ہویدا ہے خمار
نشۂ ہستی میں گل بھی خار بھی مدہوش ہیں
اور رندِ خستہ بھی مصروفِ ناؤ نوش ہیں
پھر بھی یہ محسوس کرتا ہوں جدھر جاتا ہوں میں
ایک شے تھی جس کو اب ڈھونڈے نہیں پاتا ہوں میں

ایک اور غزل کے یہ چند اشعار :

نالے دلِ خراب کے سُوئے فلک گئے
کاشانۂ شفق پہ وہ شعلے بھڑک گئے

رہرو ! سنبھل کے چل کہ یہ رستہ ہے پُرخطر
اس منزلِ حیات میں لاکھوں بھٹک گئے

سینے میں شمعِ داغ فروزاں کرا ے حیات
غم ہی کہاں رہا اگر آنسُو ٹپک گئے

اور یہ ہیں میری پہلی غزل کے چند اشعار :

الفتِ محبوب میں دِل شاد و مستانہ رہے
اور اس دُنیا کے ہر جھگڑے سے بیگانہ رہے

جام اِک ایسا پلا دے ساقیِ رنگیں ادا
جھومتا جس سے مری نظروں میں میخانہ رہے

خُم پہ خُم جس میں شرابِ معرفت کے ہوں دھرے
دِل مسلماں کا الہٰی، ایسا مے خانہ رہے

ہو چکا مشہور جب کوثر نیازی میرا نام
کیوں نہ میرے ہاتھ میں کوثر کا پیمانہ رہے

۲۲ - اکتوبر ۱۹۴۹ء کو اپنے چند دوستوں کے ہمراہ پہاڑی علاقے کی سَیر کرنے کا اتفاق ہُوا تھا - وہاں ارتجالاً جو شعر کہے انھیں آج بھی عزیز رکھتا ہُوں :

جی میں ہے کہساروں کی، ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں
زیست بچاری کو دفنا کر، خود آرام سے سو جاؤں

چشموں کا دلدوز ترنّم، پوچھ رہا ہے پردیسی سے
آپ اُداس اُداس ہیں صاحب! گاتا رہوں، چُپ ہو جاؤں
شہری دنیا کے ہنگاموں سے تنگ آ کر دِل کہتا ہے
مدُھر مدُھر سی خاموشی میں گم ہو جاؤں، کھو جاؤں
اے کہسار کے ننھے روڑو! پردیسی کی راہ نہ روکو!
تم کو اگر منظور نہیں ہے، کہو تو واپس ہو جاؤں
شاید یہ کچھ پھُول کھلائیں ان سنگلاخ زمینوں میں
میرے دل کی آنکھ سے جو آنسو ٹپکے ہیں، بو جاؤں

وقت کے ساتھ ساتھ ذوقِ سخن نکھرتا چلا گیا۔ اساتذہ قدیم سے لے کر جدید شعرا تک سب کے دواوین نظر سے گزر چکے تھے۔ بقدرِ ظرف ہر چشمۂ صافی سے سیراب ہُوا۔ مگر جن احباب نے میرے اشعار کا دِقتِ نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ اتفاق کریں گے کہ مَیں چار شاعروں سے زیادہ متاثر ہُوا ہوں۔ اقبالؔ، اصغرؔ گونڈوی۔ حسرتؔ موہانی اور مولانا محمّد علی جوہرؔ۔ اقبالؔ کی اسلامی فکر۔ اصغرؔ کا پاکیزہ تغزل۔ حسرتؔ کی سادگی اور پُر کاری اور مولانا جوہرؔ کے جذبات و احساسات —— میری شاعری میں اگر کوئی خوبی کی بات ہے تو وہ انھی عناصرِ اربعہ کا فیضان ہے۔

غالباً مَیں میٹرک میں پڑھتا تھا، جب بعض دینی اور سیاسی جماعتوں سے متعارف اور پھر متاثر ہُوا۔ اس کا فوری نتیجہ یہ تھا کہ دِل و دماغ ایک ہمہ گیر مقصدیت کی گرفت میں آ گئے۔ اس زمانے میں جو کچھ کہا وہ اصل میں انھی افکار کی صدائے بازگشت ہے۔ کچھ ادیب اور شاعر اس میدان میں پہلے سے موجود تھے۔ وہ مقصدی اور اسلامی ادب کے علمبردار تھے۔ مَیں بھی کچھ عرصہ ان کے قدم سے

قدم ہلا کر چلا۔ لیکن جلد ہی محسوس کر لیا کہ ادب
جس چیز کا نام ہے وہ آبگینہ سے زیادہ نزاکت اپنے اندر رکھتی
ہے۔ یہ وہ چیز ہے کہ جسے ؎

نسیمِ صبح جو چھُو جائے رنگ ہو مَیلا

اس لیے اسے کسی مقصد کا ترجمان بنانے کے لیے بے حد احتیاط اور فنی چابکدستی کی ضرورت ہے ورنہ خطرہ ہے کہ ایک ادنیٰ سی بے احتیاطی بھی اس کے حُسن و جمال کو غارت کر کے رکھ دے گی اور ادب اور نعرہ بازی میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جائے گا۔ اس احساس نے میرے مقصدی کلام میں گہرائی اور گیرائی پیدا کر دی اور جن احباب نے میرے پہلے مجموعۂ کلام "نذرِ گل" کا مطالعہ کیا ہے وہ شہادت دیں گے کہ اپنے زمانۂ اسیری میں مجھے مقصد اور فن دونوں کو یک جان کرنے میں کافی کامیابی حاصل ہوئی۔

"بُوئے گُل" میرا دوسرا مجموعۂ کلام ہے۔ سات سال کے اس عرصہ میں مَیں نے بہت کم شعر کہے ہیں۔ سبب یہ ہے کہ زندگی کے حقائق خیال آرائی کا وقت ہی نہیں دیتے۔ خطابت اور شعر و ادب کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور خطابت کے محاذ پر اتنا مصروف رہتا ہوں کہ اپنی تمام نثر شعری و ادبی توانائیوں کو یہیں نچوڑ دینا پڑتا ہے۔ کچھ طاقت بچتی ہے تو وہ صحافت کی نذر ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہینے گزر جاتے ہیں مگر ایک شعر نہیں ہوتا، کچھ دُعا بھی یہی مانگی تھی کہ بارِ الٰہا! اگر تُو نے کچھ شاعرانہ صلاحیت عطا فرمائی ہے تو اسے اپنے رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح خوانی کے لیے وقف فرما دے۔

معلوم ہوتا ہے یہ دُعا قبول

فرما لی گئی ہے اور ؎

شُکرِ خُدا کہ فرصتِ شعر و سخن نہیں
اب لب پہ صُبح و شام درُود و سلام ہے
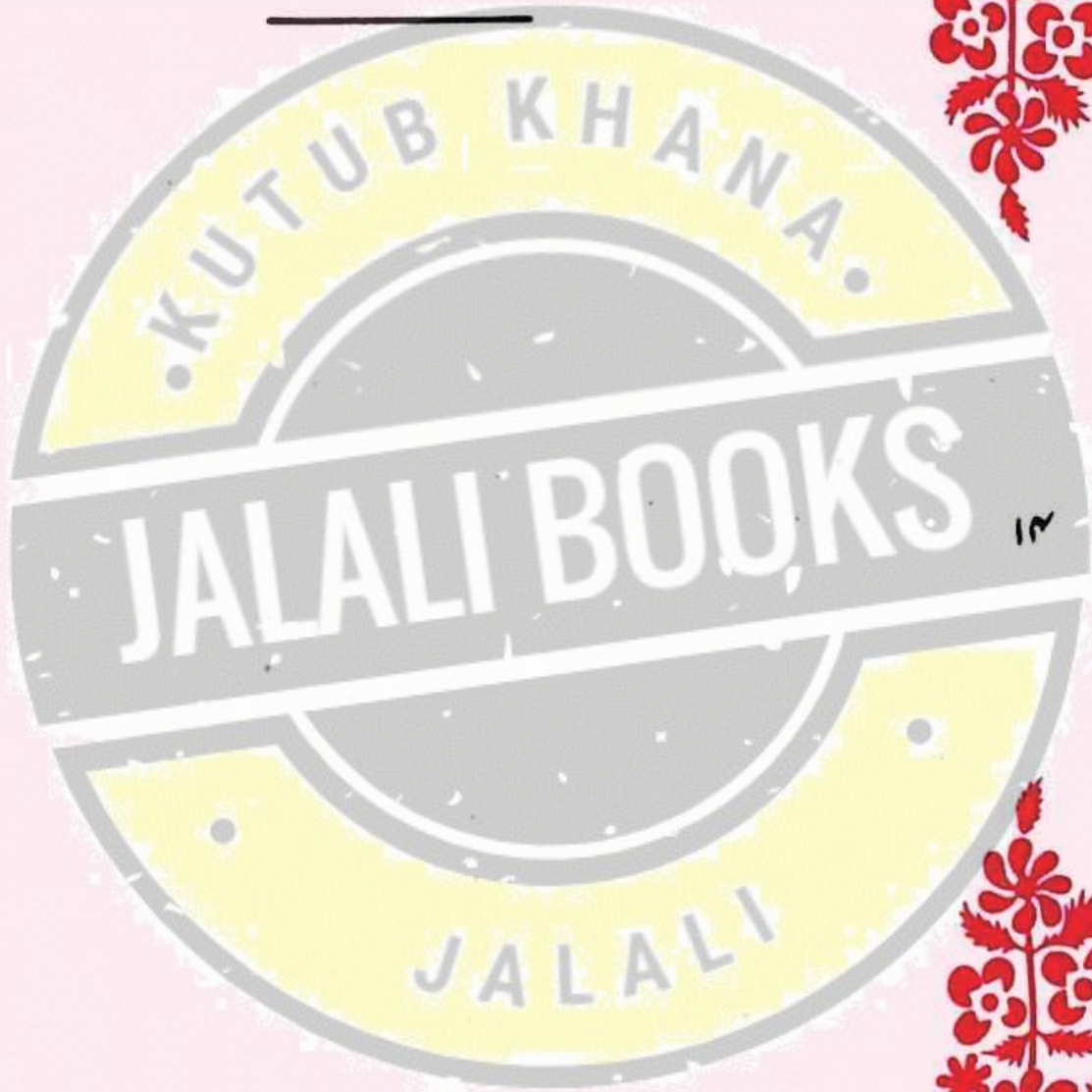
ذکرِ جمیل

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی ست
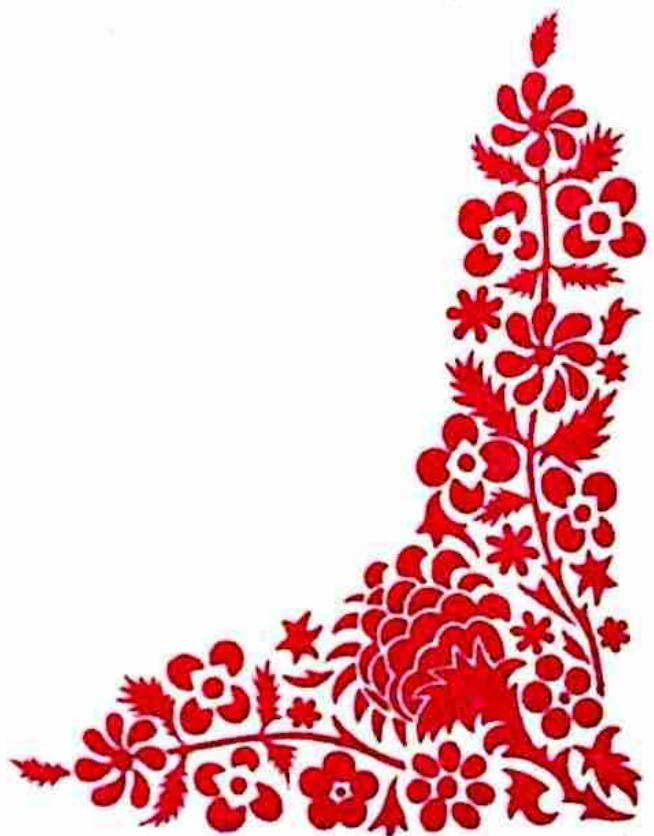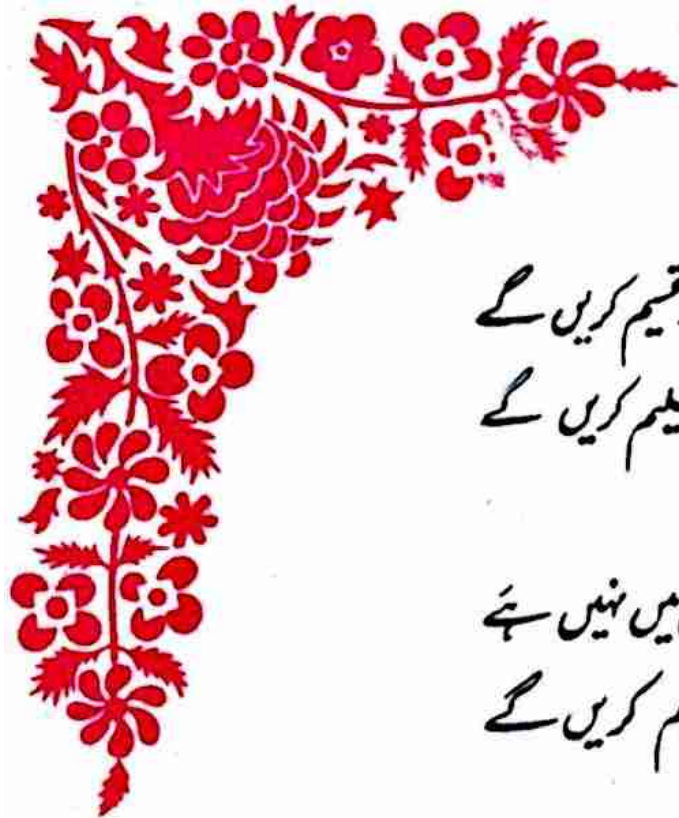
دل آپ کا ہے اُس کی نہ تقسیم کریں گے
جو بات بھی فرمائیں گے تسلیم کریں گے

وُہ مِل نہ سکے اُن کی خطا اِس میں نہیں ہے
ہم اپنی تمنّا ہی میں ترمیم کریں گے

اُس منظرِ پُرکیف کی آنکھوں کو ہوس ہے
تقسیم وُہ جب کوثر و تسنیم کریں گے!

جب آپ کی اُلفت کا خزانہ ہے نظر میں
کیوں اہلِ وفا فکرِ زر و سیم کریں گے

خورشید جہانتاب بھی شرمائے گا کوثرؔ!
ذرّات کی جس وقت وُہ تنظیم کریں گے

○
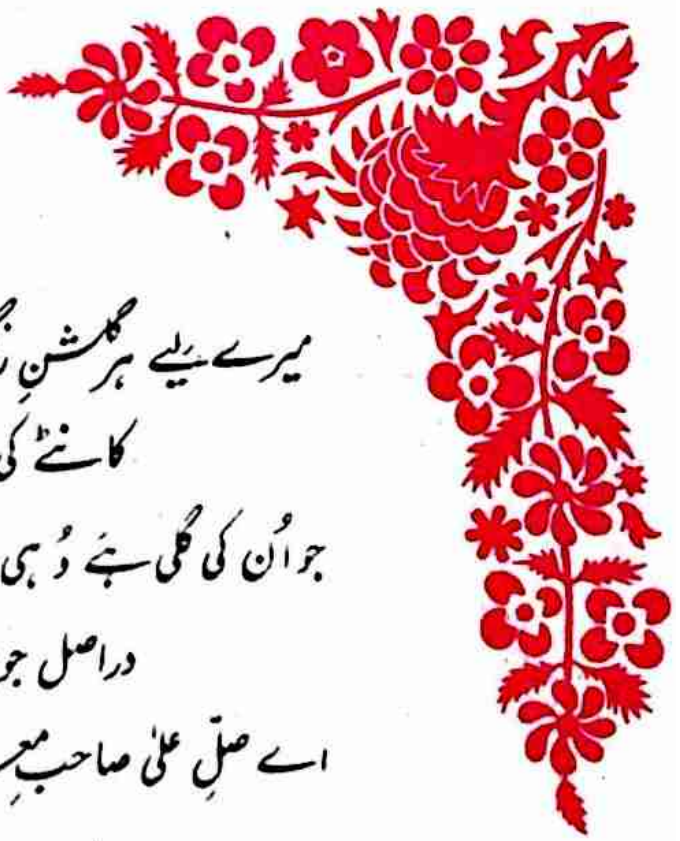
میرے لیے ہر گلشنِ رنگیں سے بھلی ہے
کانٹے کی وہ اِک نوک جو طیبہ میں پلی ہے

جو اُن کی گلی ہے وُہی دراصل ہے جنّت
دراصل جو جنّت ہے وُہی اُن کی گلی ہے

اے صلِ علیٰ صاحبِ معراج کی سیرت
جو بات ہے قرآن کے سانچے میں ڈھلی ہے

شاید درِ احمدؐ سے صبا لائی ہو اس کو
چہرے پہ یہی سوچ کے یہ خاک مَلی ہے

گردن نہ جُھکی آپ کی، مخلوق کے آگے
اللہ ری کیا شانِ حُسین ابنِ علیؓ ہے

للہ ادھر سے بھی مدینے کی ہواؤ!
کُچھ روز سے پژ مُردہ مرے دِل کی کلی ہے

کوثرؔ غمِ کونین سے دِل ہوگیا فارغ
اب عشقِ نبیؐ زیست کا عنوانِ جلی ہے

لاہور، ۲۵ جنوری ۱۹۵۹ء

مجھ سیہ کار کے دل میں بھی وہ رہتے ہیں مکیں
شبِ اسریٰ میں جو پہنچے تھے سرِ عرش بریں

جس کی آغوش میں خوابیدہ ہیں محبوبِ خدا
آسمانوں سے بلندی میں نہیں کم وہ زمیں
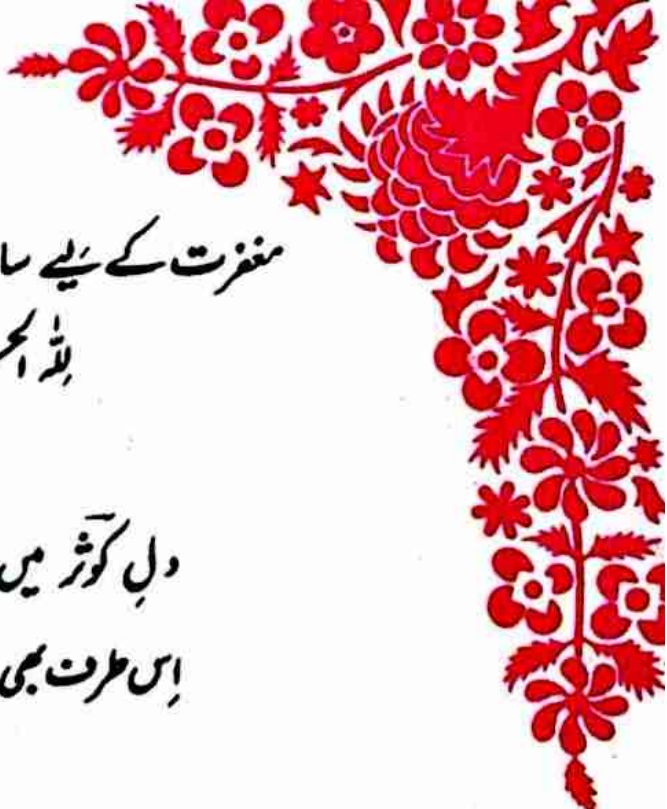
اُلفتِ سرورِ کونین ہے مذہب میرا
یہ نہیں ہے تو مرے واسطے دُنیا ہے نہ دیں

بادشاہوں سے ترے در کے گدا اچھے ہیں
تخت والوں سے بھی اُونچے ہیں ترے خاک نشیں

جب سے قرآں میں دیکھا ہے ترا عکسِ جمال
کوئی جچتا ہی نہیں ہے مری نظروں میں حسیں

حشر میں سایۂ دامانِ نبیؐ مل جائے!
آرزو اس کے سوا اور کوئی دل میں نہیں
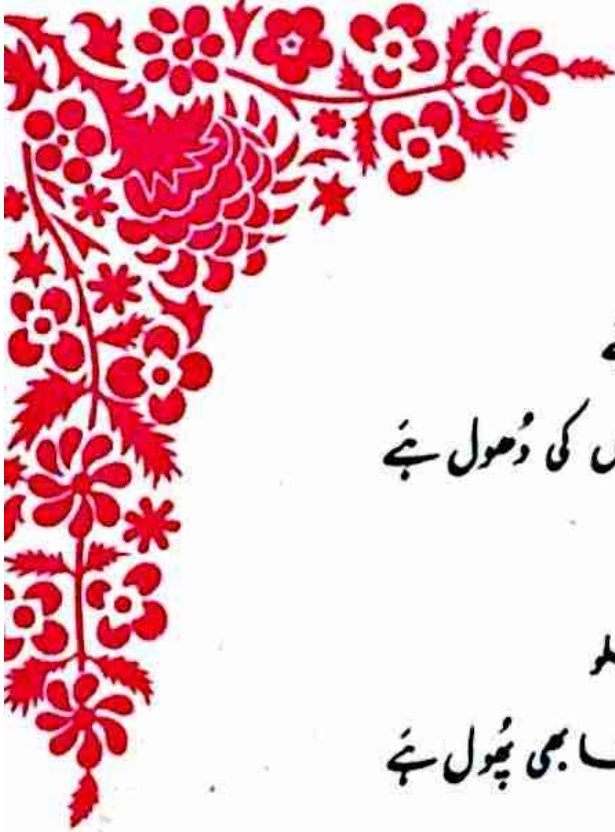
مغفرت کے لیے سامان یہی کیا کم ہے !
للہ الحمد کہ ہے تیری رسالت کا یقیں

دلِ کوثر میں ہے طیبہ کی تمنا کب سے
اِس طرف بھی نظر اے گنبدِ خضرا کے مکیں

۳۰ رجولائی ۱۹۶۰ء

نازاں ہے جس پہ حُسن وہ حُسنِ رسُولؐ ہے
یہ کہکشاں تو آپ کے قدموں کی دُھول ہے

اے رہروانِ شوق ! یہاں سر کے بل چلو
طیبہ کے راستے کا تو کانٹا بھی پھُول ہے

ہر اک قدم پہ اِس میں ضروری ہے احتیاط
عشقِ بُتاں نہیں ہے یہ عشقِ رسُولؐ ہے!

زاہد ! خیال پَیروِیٔ مصطفٰےؐ رہے
پھر اس کے بعد تیری عبادت قبول ہے

منبر ہو یا کہ دار ، نہ جائے گی یادِ یار
اے دِل ! یہ اہلِ عشق و وفا کا اصُول ہے

باطل کے سامنے نہ جُھکاؤں گا سر کبھی
میری نظر میں اُسوۂ ابنِ بتُولؓ ہے

آئینِ مصطفےٰؐ کے سوا حلِّ مشکلات
یہ عقل کا فریب، نگاہوں کی بھول ہے

اُس پر نزولِ رحمتِ پروردگار ہو!
کوثرؔ فراقِ دوست میں جو دل ملول ہے

(۷ اگست ۱۹۶۱ء)

غمگیں دِلوں کو امن و سکوں کا پیام ہے
کیسا حسین و راحتِ جاں اُن کا نام ہے

اُس دِل کا مول دَولتِ کونین بھی نہیں!
جس میں متاعِ اُلفتِ خیر الانام ہے

دُھندلا نہ جائے جلوۂ محبُوب دیکھنا
اے چشمِ اشکبار! ادب کا مقام ہے

شکرِ خُدا کہ فرصتِ شعر و سخن نہیں
اب لب پہ صبح و شام درود و سلام ہے

کوثر ہے دِل میں ایک ہی اعزاز کی ہوس
کہدیں وُہ حشر میں "یہ ہمارا غُلام ہے"

۲۷ ستمبر ۱۹۶۱ء

○

ہُوا یہ راز عیاں ، آخری پیام کے ساتھ
سفر کرے گا زمانہ ترے نظام کے ساتھ

سرورِ عیش ضروری ہے غم کے جام کے ساتھ
سحر کا نُور رہے گا سوادِ شام کے ساتھ

خُدا بھی مِل نہ سکے گا ہمیں جو وُہ نہ ملے!
خُدا کا نام بھی لیتے ہیں اُن کے نام کے ساتھ

یہ ارضِ پاک مدینہ کے حُسن کا اعجاز
کہ دِل بھی جھکتا ہے کوثرؔ ہر ایک گام کے ساتھ

(بہاول پور سیرت کانفرنس سے واپسی پر)
۱۱ر دسمبر ۱۹۶۱ء

آدمیت کی علامت ہے ولائے مصطفیٰؐ
مصطفیٰ دل کے لیے، دل ہے برائے مصطفیٰؐ

ہے رضائے مصطفیٰ میں ربِ کعبہ کی رضا
ربِ کعبہ کی رضا میں ہے رضائے مصطفیٰؐ

کچھ نہیں معلوم کیا ہے قصۂ ذات و صفات
تجھ پہ ہم ایمان لائے اے خدائے مصطفیٰؐ

شکلِ انسانی میں قرآنِ مجسم آپ ہیں
شرحِ فرمانِ خدا ہے ہر ادائے مصطفیٰؐ

حشر کی گرمی اسے کچھ بھی ستا سکتی نہیں
جس کو سایہ مل گیا زیرِ لوائے مصطفیٰؐ

دو جہاں کی بادشاہی سے بھلا ہے یہ شرف
کاش میں کہلاؤں اک ادنیٰ گدائے مصطفیٰؐ

آرزو دل میں یہ رکھتا ہوں خدا پوری کرے
جب مروں کوثر زباں پر ہو ثنائے مصطفیٰؐ

۳۰ ستمبر ۱۹۶۲ء
(جلسۂ سیرت لاڑکانہ سے واپس آتے ہوئے)

جادُو نہ چلا مجھ پہ جو دُنیا طلبی کا
سب لطف و کرم ہے شہِ مکّی مدنی ؐ کا

جنّت کا تصوّر بھی اگر ذہن میں آیا!
نقشہ نظر آیا ہے مجھے اُن کی گلی کا!

دُنیا اُسے اِنسان کہے مَیں نہ کہُوں گا
احسان بھلا دے جو رسُولِ عربی ؐ کا

لے سانس بھی آہستہ کہ دربارِ نبیؐ ہے
خطرہ ہے بہت سخت یہاں بے اَدَبی کا

اُن کا رُخِ پُرنُور رہا اِن کی نظر میں
کیا طالع بیدار ہے اصحابِ نبیؐ کا

فارُوقؓ یہ کہتے ہیں "وُہ آقا ہیں ہمارے"
دیکھے تو کوئی اَوج، بلالِ حبشیؓ کا

کوثرؔ مجھے اِس جُرم سے اِنکار نہیں ہے
شیدا ہُوں دِل و جاں سے مَیں اَولادِ علیؓ کا

۵ رفروری ۱۹۶۳ء

○

دُنیا کی محبت ہے نہ کچھ یادِ بُتاں ہے

پھر سُوئے حرم قافلۂ شوق رواں ہے

آنکھوں سے برستے ہوئے پانی نے ہوا دی

سینے میں محبت کا شرر شعلہ فشاں ہے

اے ختمِ رسُلؐ! ہے یہ ترے عشق کا اعجاز

دیوانہ ترا خاتمِ آشفتہ سراں ہے

آنکھوں میں سمائے ہیں یہ کس شوخ کے جلوے

خود حُسنِ ازل آج نگاہوں پہ عیاں ہے

زاہد! تجھے افلاک پہ فردوس مُبارک

میرے لیے طیبہ کی زمیں باغِ جناں ہے

اس قلبِ خطاکار میں بیتاب ہیں سجدے

اللہ رے کیا مسجدِ نبوی کی اذاں ہے!

کوثر ہے یہ کیفیتِ انوارِ مدینہ!!

ہر ذرّہ یہاں خاک کا خورشید نشاں ہے

○

طیبہ کے لیے آنکھ لگی اشک بہانے
شاید کہ کیا یاد شہِ ہر دو سرا نے

جس گوہرِ مقصود کی خواہش ہوئی دل میں
جھولی میں دیا ڈال اُسے دستِ عطا نے

کب دیکھیے بلاتا ہے اے اذنِ حضوری!
پھر دی تو ہے دستک، درِ آقا پہ گدا نے

پلکوں سے درِ دوست پہ جاروب کروں گا
توفیقِ سفر بارِ دگر دی جو خدا نے

پھر آج مدینے سے اُڑا لائی ہے خوشبو
پھر آج کیے زخم ہرے بادِ صبا نے

لاریب کہ تجھ سا کوئی محبوب نہیں ہے
دشمن کا بھی دل جیت لیا تیری ادا نے

خود آپؐ نے سامان بُلانے کا کیا ہے
کوثر یہ دِکھایا ہے اثر میری دعا نے

خُدا وندا! ہمیں نُصرت عطا کر
ہمیں اسلاف کی قُوّت عطا کر

کسی افتاد سے گھبرا نہ جائیں
ہمیں صدیقؓ کی جُرأت عطا کر

ہماری، کُفر پر چھا جائے ہیبت
ہمیں فارُوقؓ کی سطوت عطا کر

ہمیں ہونے نہ دے محتاجِ اغیار
ہمیں عُثمانؓ کی ثروت عطا کر

نیا خیبر ہمارے سامنے ہے
علیؓ کی قُوّت وہمّت عطا کر

یہی کوثر کی یارب التجا ہے
رسُولِ پاک کی الفت عطا کر

○

خورشیدِ رسالت کی شعاعوں کا اثر ہے
احرام کی مانند مرا دامنِ تر ہے

نظّارۂ فردوس کی یارب نہیں فرصت
اِس وقت مدینے کی فضا پیشِ نظر ہے

اس شہر کے ذرّے ہیں مہ و مہر سے بڑھ کر
جس شہر میں اللہ کے محبُوب کا گھر ہے

یہ راہ کے کنکر ہیں کہ بکھرے ہُوئے تارے
یہ کاہکشاں ہے کہ تری گردِ سفر ہے

اس صاحبِ معراج کے در کا ہُوں بھکاری
قرآں میں جس کے لیے "مَازَاغَ بَصَرْ" ہے

اِک مہر لقا، ماہ ادا کا ہے یہ اعجاز
ہر اشک مری آنکھ کا تابندہ گہر ہے

مَیں گنبدِ خضرا کی طرف دیکھ رہا ہُوں!
کوثرؔ مرے نزدیک یہ معراجِ نظر ہے

فکرِ و فن

مَیں قید میں ہُوں مگر تخیّل پہ کون پہرے بٹھا سکے گا
اُڑا کے لیجائے گی جہاں میں ہوا مرے فکرِ و فن کی خوشبُو

اپنوں کی شکایت ہے نہ غیروں کا گِلا ہے
ہر حال میں خوش ہُوں کہ یہی اُس کی رضا ہے

اِس دَورِ زبوں کار میں کہتا ہُوں "خُدا ہے"
مجھ بندۂ عاجز کی فقط اِتنی خطا ہے

سینے میں محبّت ہے نہ آنکھوں میں حیا ہے
دیکھو جسے وُہ شیفتۂ کِذب و ریا ہے

جِس روز سے وُہ جانِ وفا مجھ سے خفا ہے
بدلی ہُوئی اُس دِن سے زمانے کی ہَوا ہے

کیا طالِعِ بیدار ہے، کیا بخت رسا ہے
کہتے ہیں مجھے لوگ یہ اُس در کا گدا ہے

رہزن کو جو سمجھے ہیں کہ یہ راہ نما ہے
ان قافلے والوں سے مِری راہ جُدا ہے

کیوں اُس کی طرف چشم عنایت نہیں ہوتی
کوثرؔ بھی تو منجملۂ اربابِ وفا ہے

فطرت کا وُہ پیمانِ وفا یاد نہیں ہے
فریاد کہ دُنیا کو خُدا، یاد نہیں ہے

کیا سحر ہے اس شوخ کا اندازِ تبسم
اب کچھ بھی تبسّم کے سوا، یاد نہیں ہے

اب عشق بھُلا بیٹھا ہے اخلاص کا انداز
اب حُسن کو پہلی سی ادا، یاد نہیں ہے

کیا مجھ سے ہُوئی عرضِ تمنّا میں جسارت!
کیوں ہو گئے وُہ مجھ سے خفا، یاد نہیں ہے

بیمارِ محبّت کا اب اللہ نگہباں
اس آنکھ کو پیغامِ شِفا، یاد نہیں ہے

صیّاد! نہ کر نغمہ سرائی کے تقاضے
اب مُجھ کو گُلستاں کی فضا، یاد نہیں ہے

○

کب زمانے کی جفاؤں کا گِلہ کرتے ہیں
ہم فقط اپنی وفاؤں کا گِلہ کرتے ہیں

شوقِ پرواز نہیں، اور بنامِ تقدیر
آج شہباز ہواؤں کا گِلہ کرتے ہیں!

آگ لگ جائے نہ ان سے کہیں گلشن گلشن
باغباں میری نواؤں کا گِلہ کرتے ہیں

نہ ہُوئی اِن سے کبھی غیر کی دریوزہ گری
بادشہ تیرے گداؤں کا گِلہ کرتے ہیں!

ہم وُہ گُستاخ ہیں جو تیری وفا کے باوصف
چند معصُوم جفاؤں کا گِلہ کرتے ہیں

پہلے پیدا تو کریں ذوقِ سفر اے کوثر
لوگ کیوں راہنماؤں کا گِلہ کرتے ہیں

زندگی وقفِ غم و آلام ہو کر رہ گئی!
ہر تمنّا اِک حسیں اِلزام ہو کر رہ گئی

دِل پہ کل، چھائی وُہ یادوں کی گھٹا وقتِ سحر
صُبح کی سُرخی - غبارِ شام ہو کر رہ گئی

ہم نے دیکھا ہے جہاں میں اِک نِرالا اِنقلاب
صُبح کی پہلی کِرن بھی شام ہو کر رہ گئی

پھر ہوس کے حوصلے کُچھ اور بھی بڑھ جائیں گے
عِشق کی مِحنت اگر ناکام ہو کر رہ گئی

اُس طرف جا تو رہا ہُوں آرزُوئے قتل میں
اور اگر یہ سعی بھی ناکام ہو کر رہ گئی؟

منزلِ مقصُود تھی ورنہ نظر کے سامنے
کارواں سے لغزشِ یک گام ہو کر رہ گئی

پُوچھئے کوثر سے ایسی زندگانی کی خلش!
جو غمِ مظلُومیِ اسلام ہو کر رہ گئی

شہرت و عزت ، نہ تاج و تخت و دولت چاہیے
اے گروہِ دوستاں ! مجھ کو محبت چاہیے

حُسن خود نکلے گا بہرِ جستجو دیوانہ وار !
اے مذاقِ عشق ! بس تھوڑی سی غیرت چاہیے

چند لمحوں کا نہیں ہے عمر بھر کا کام ہے
ہر قدم پر راہِ اُلفت میں عزیمت چاہیے

مُسکرا کر بس یہ فرما دیجیے "ہم کو قبول"
آپ سے نقدِ دل و جاں کی یہ قیمت چاہیے

ہر نفس ہے آزمائش ہر گھڑی رنج و الم
اِس نظامِ ظُلم پرور سے بغاوت چاہیے

کوثرؔ ، اندازِ سخن کی آب داری کے لیے
رنگِ اصغرؔ چاہیے ، اندازِ حسرتؔ چاہیے

خیالِ ترکِ اُلفت ہم نشینو! آ ہی جاتا ہے
وفورِ بے دلی میں آدمی گھبرا ہی جاتا ہے

تباہی کی گھڑی شاید زمانے پر نہیں آتی
ابھی اپنے کیے پر آدمی شرما ہی جاتا ہے

نگاہِ دوست کے آگے سپر لانا ہے لاحاصل
یہ تیرِ نیم کش، قلب و جگر برما ہی جاتا ہے

نظر آتا نہیں، جس کو، ہجومِ شوق میں کچھ بھی
فریبِ رہنما اکثر وہ رہرو کھا ہی جاتا ہے

نہیں ترکِ خرامی کارواں کی بے سبب کوثر
خموشی سے جو اُٹھتا ہے وہ بادل چھا ہی جاتا ہے

کعبہ و دیر کو مے خانہ بنا دیتے ہیں
ہم حقیقت کو بھی افسانہ بنا دیتے ہیں

ہم سے آشفتہ مزاجوں پہ نہیں ہے موقوف
اچھے اچھوں کو وُہ دیوانہ بنا دیتے ہیں

صِرف باتیں نہ بناؤ کہ محبّت والے!
سر کو محبُوب کا نذرانہ بنا دیتے ہیں

دِل تو پھر دِل ہے کوئی اِتنی بڑی چیز نہیں
لوگ کعبے کو بھی بُت خانہ بنا دیتے ہیں!

آج وُہ لوگ ہیں معمارِ جہاں اے کوثر
بستیوں کو بھی جو ویرانہ بنا دیتے ہیں!

ذرّے میں بھی ہے وسعتِ صحرا کہیں جسے
ایسی نظر کے واسطے بینا کہیں جسے

سرزد ہوا کبھی نہ ہم اربابِ ضبط سے
وہ جرم، بانگ حرفِ تمنّا کہیں جسے!

اے مبتلائے عشرتِ امروز! ہوشیار
ہے کھیل دھوپ چھاؤں کا دُنیا کہیں جسے

میری نظر میں آپ کے قدموں کی گرد ہے
ظاہر پرست اَوجِ ثریّا کہیں جسے

کوثرؔ فضائے مکر و ریا میں کوئی تو ہو!
ہم پُورے اِعتماد سے اپنا کہیں جسے

نگاہوں کی دَولت ، ادا کے خزینے
غزل کے اِشارے ، غزل کے قرینے

ہمیں اب یہاں سے پلٹنا نہیں ہے
لبِ آبِ یم ، پھُونک ڈالو سفینے

یہ کون اُٹھ گیا ، انجمن سے الٰہی
کہ اُجڑے پڑے ہیں دِلوں کے مدینے

کِسی قوم کا کب سہارا بنے ہیں
عزائم سے خالی ، جوانوں کے سِینے

وُہ پہلی سی اب دُشمنی بھی نہیں ہے
زباں پر خوشامد، دِلوں میں ہیں کینے

رہِ دوست میں مر مٹے کیوں نہ کوثرؔ
زیاں کا یہ احساس دے گا نہ جینے

نوائے قمری و صوتِ ہزار کی باتیں،
چمن چمن ہیں نگارِ بہار کی باتیں

نظر نظر میں تعصّب۔ نفس نفس میں فریب
مَیں کر رہا ہُوں کہاں حُسنِ یار کی باتیں

رہِ حبیب میں سُود و زیاں کا ذِکر نہ چھیڑ
روا نہیں ہیں یہاں کاروبار کی باتیں

مری زباں پہ غمِ دوستاں کے افسانے
تری زباں پہ غمِ روزگار کی باتیں

چٹک رہے ہیں شگُوفے، مہک رہی ہے فضا
مری زباں پہ ہیں کس گلعذار کی باتیں
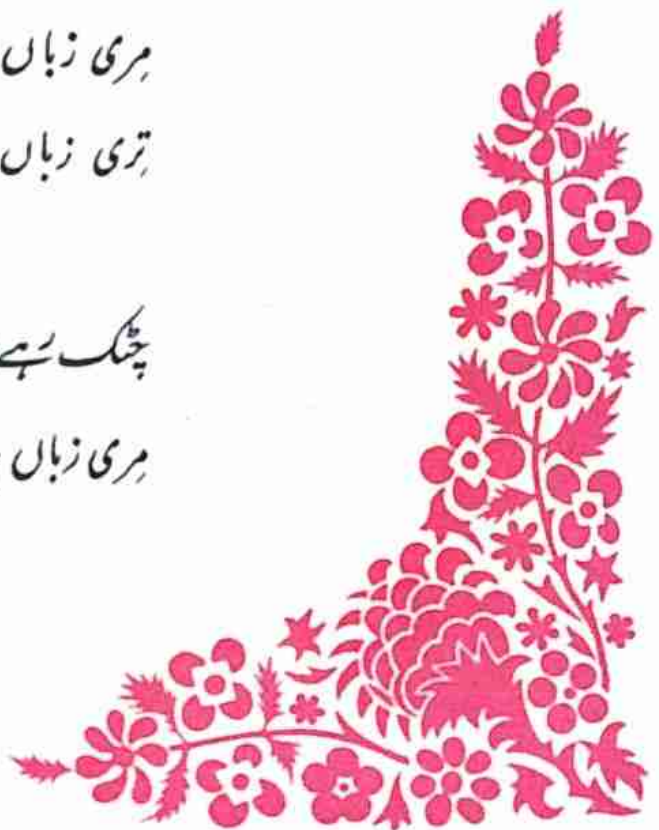
آلام و مصائب سے ڈرنا، اربابِ طلب کا کام نہیں
آغاز کیا ہے جرأت سے ، پروائے غمِ انجام نہیں

جو اُن کا مکھڑا جھلکائے ، جو اُن کی زلفیں مہکائے
اُس صبح سی کوئی صبح نہیں اُس شام سی کوئی شام نہیں
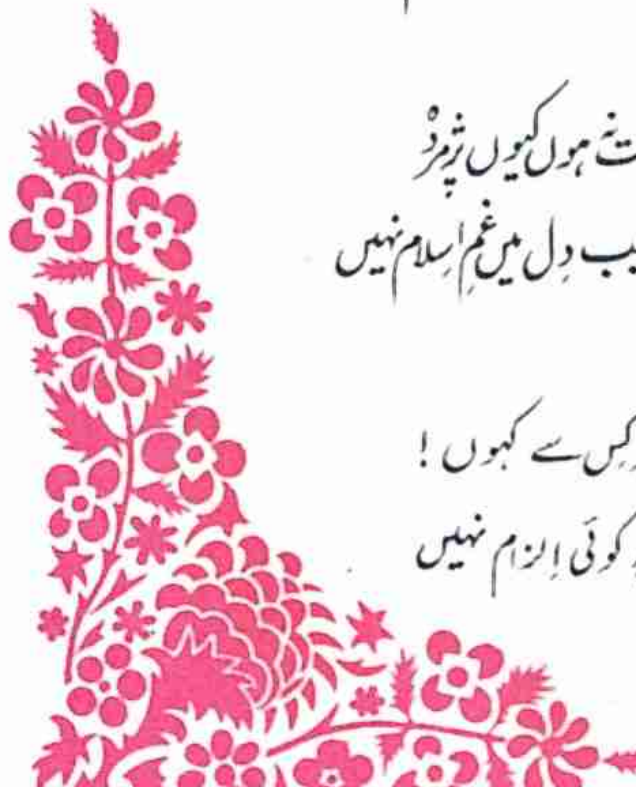
مے خانۂ آب و گِل میں نہ آ ، آنا ہے تو پہلے سوچ ذرا
اِک قطرہ نہیں ، اے متوالے ، جو خیرے خُوں آشام نہیں

اِس راہِ محبت میں لاکھوں پہلے بھی رہے ہیں گرمِ سفر
یہ کوئی نئی تحریک نہیں ، یہ کوئی نیا پیغام نہیں

دِل سوز سے خالی کیوں نہ رہیں ، جذبات نہ ہوں کیوں نِژمرْدْ
تقویٰ کے بھرم سے کیا حاصل جب دِل میں غمِ اِسلام نہیں

افسردگیٔ ابنائے وطن کو ثرؔ جو کہوں تو کس سے کہوں!
جو کچھ بھی کیا اپنوں نے کیا غیروں پہ کوئی اِلزام نہیں

○

نہ حُسن و عشق نہ شعر و سُخن کی بات کرو
کسی مجاہدِ شمشیر زن کی بات کرو

شراب و شیشہ و شاہد سے ہم کو کیا مطلب
کرو جو ہم سے تو دار و رسن کی بات کرو

خزاں کے ظُلم تو پہلے سے آشکارا ہیں
بہارِ لالۂ خُونیں کفن کی بات کرو

قفس میں مُجھ سے چھپاؤ نہ حالِ بربادی
نظر اُٹھا کے فضائے چمن کی بات کرو

(مری، ۱۱ر فروری ۱۹۵۶ء)
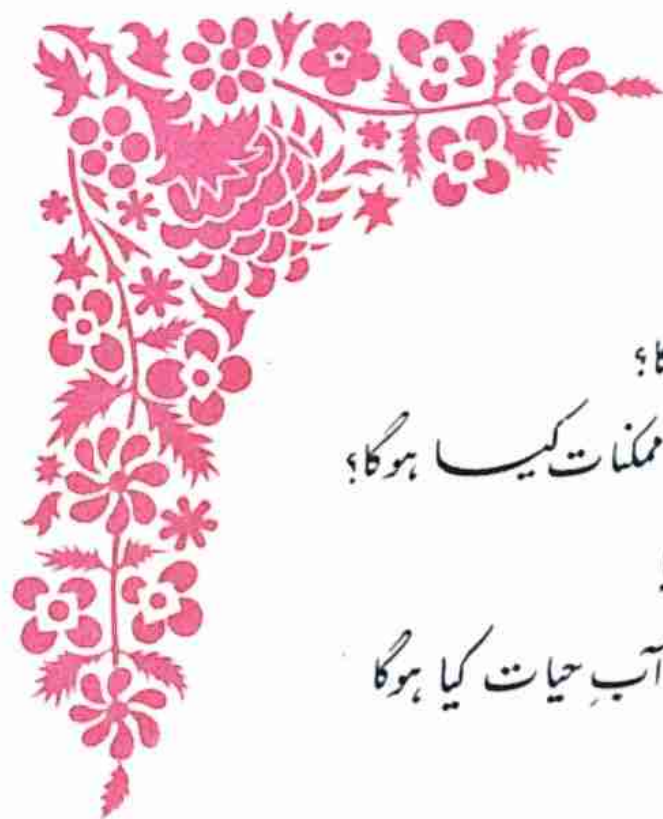
نشانِ پا کو قیام و ثبات کیا ہوگا؟
درازِ سلسلۂ ممکنات کیا ہوگا؟

شرابِ عیش میں تسکین ڈھونڈنے والو!
سرابِ چشمۂ آبِ حیات کیا ہوگا

یزیدِ نفس کی طاعت جسے گوارا ہو
وُہ قدر دانِ شہیدِ فرات کیا ہوگا

مثالِ نجمِ سحر ہم تو ڈُوب جائینگے
علاجِ تیرگیٔ شش جہات کیا ہوگا

نہ آج بازُوئے حیدرؓ نہ غیرتِ فارُوقؓ
قدم قدم پہ ہیں لات و منات، کیا ہوگا

ابھی سے ہوش اُڑے جارہے ہیں اے کوثر!
یہ بے رُخی ہے تو پھر التفات کیا ہوگا

۲۲ اپریل ۱۹۵۶ء

شرافت اس طرح ہو بے سہارا، ہو نہیں سکتا
ہمیں توہینِ انساں ہو گوارا ہو نہیں سکتا

جو ہمّت ہے تو آؤ موجۂ طوفاں سے ٹکرائیں
کہ ہم سے دُور ساحل پر نظارا ہو نہیں سکتا

دِل وجاں میں جو شُعلے بیقراری کے نہ بھڑکا دے
وُہ کُچھ بھی ہو محبّت کا شرارا ہو نہیں سکتا

جو سچّائی ہے وُہ سارے زمانے کی وراثت ہے
حقائق پر کِسی کا بھی اجارا ہو نہیں سکتا

رہِ مقصد میں آؤ ساتھیو! سب کُچھ لُٹا ڈالیں
تجارت ہے یہ وُہ جِس میں خسارا ہو نہیں سکتا

بہت سادہ سا ہے اپنا اصُولِ دوستی کوثر
جو اُن سے بے تعلق ہے ہمارا ہو نہیں سکتا

○
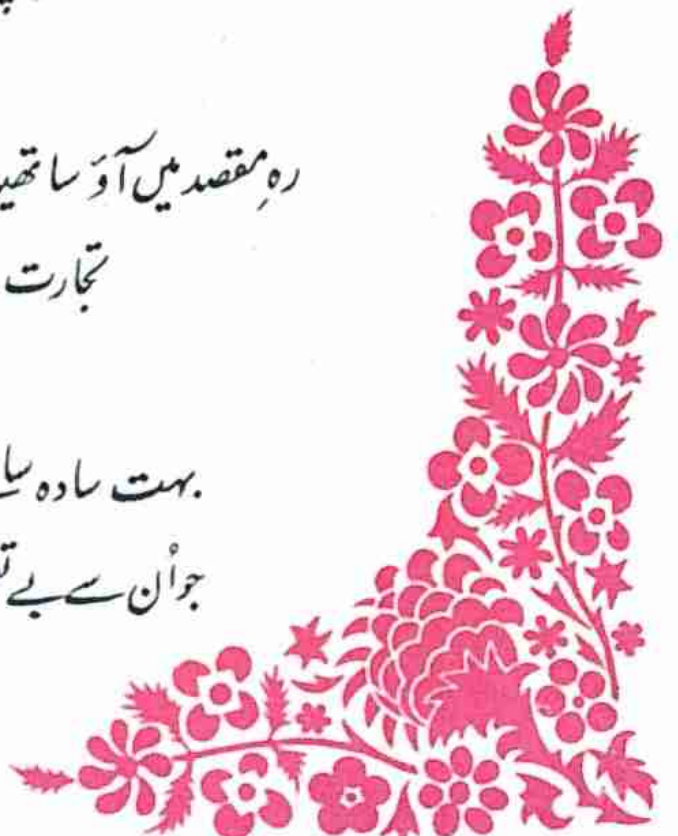
مل جُل کے ارضِ پاک کو رشکِ اِرم کریں!
کچھ کام آپ کیجیے کچھ کام ہم کریں

حالات کا لحاظ اب اہلِ قلم کریں
نیزے اُٹھائیں ہاتھ میں تیغیں علم کریں

کیا ہوگا کیا نہ ہوگا یہ سب اُن پہ چھوڑیے
اپنا یہ کام ہے سرِ تسلیم خم کریں

اے عشق اب پناہ ملے گی کہاں تجھے
وہ بھی یہ کہہ رہے ہیں "محبت کو کم کریں"

پوشیدہ دشمنی سے جو رکھیں ہمیں معاف
کوثرؔ ہمارے دوست بڑا ہی کرم کریں!

۳۰ جون ۱۹۵۸ء

تابکے ، درد کی دوا کرتے
مر نہ جاتے ، تو ، اور کیا کرتے

جان دے دی رہِ محبّت میں
اور کیا تیرے بے نوا کرتے

اب تو آجاؤ وقتِ آخر ہے
عُمر گزری ہے اِلتجا کرتے

دوستی گر تمُہارے بس میں نہ تھی
دُشمنی کا تو حق ادا کرتے!

زِندگی سے بھی کوئی رُوٹھا ہے
آپ کو کِس طرح خفا کرتے

رحمتِ حق کو جوش آجاتا
کاش! ایسی کوئی خطا کرتے

دِل میں یہ آرزُو ہے اے کوثر
وُہ کہا کرتے ہم سُنا کرتے

۹ر نومبر ۱۹۵۶ء

○

بے آسرا ہیں لوگ سہاروں کے باوجود
تاریکیاں ہیں چاند ستاروں کے باوجود

نغموں کی راہ گزار ہیں، نوحوں کا ہے جلوس
ہنگامہ ہے خزاں کا بہاروں کے باوجود

آنکھوں پہ ہیں، نگاہ کے پردے پڑے ہوئے
جلوے حجاب میں ہیں نظاروں کے باوجود

اِنساں فدائے ہستیِ ناپائیدار ہے
فطرت کے صاف صاف اشاروں کے باوجود

کوثر یہ خاص رحمتِ پروردگار ہے
پھولوں سے کھیلتا ہوں شراروں کے باوجود

۸ / دسمبر ۱۹۵۶ء

گرتے ہوئے جب میں نے ترا نام لیا ہے
منزل نے وہیں بڑھ کے مجھے تھام لیا ہے

مے خوار تو ہے محتسبِ شہر زیادہ
رندوں نے یونہی مفت میں الزام لیا ہے

وہ مل نہ سکے یاد تو ہے ان کی سلامت
اس یاد سے بھی ہم نے بہت کام لیا ہے

ہر مرحلۂ غم میں ملی اس سے تسلی
ہر موڑ پہ گھبرا کے ترا نام لیا ہے

تجھ سا کوئی رہبر نہیں اے دوریِ منزل!
احسان ترا ہم نے بہر گام لیا ہے
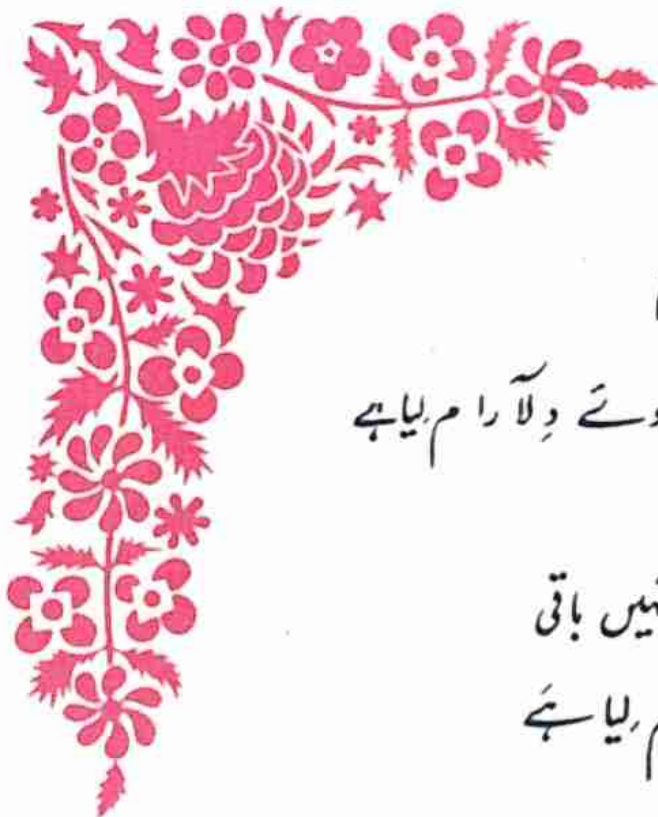
اے شیخ! دلِ صاف یُونہی تو نہیں مِلتا
ہم نے اثرِ رُوئے دِلآرام لیا ہے

سجدوں میں وُہ پہلی سی حلاوت نہیں باقی
جب سے اثرِ گردشِ ایام لیا ہے

۱۷ر نومبر ۱۹۵۶ء

جلوہ فرما ہیں سرِ بزم تو پنہاں کیوں ہیں
اور پردوں میں چھُپے ہیں تو نمایاں کیوں ہیں

میری آنکھیں تو نہیں دیتی ہیں دھوکہ مجھ کو
ہر طرف وصل کے ساماں شبِ ہجراں کیوں ہیں

باوجودِ ہمہ اظہارِ کمالاتِ بشر
دوستو ! حشر کے آثار نمایاں کیوں ہیں

کیا مرا چاند نکلنے کو ہے اے ہم نفسو
میری پلکوں پہ ستارے سے بہ لرزاں کیوں ہیں

جب وہی سلسلہ جُنباں ہیں تو کوثر صاحب!
آپ آرام میں خوش، غم میں پریشاں کیوں ہیں!

۳۰ ر دسمبر ۱۹۵۶ء

○

دِل کو جو دیکھیے تو محبّت بھی کم نہیں
پھر کیا ہُوا کہ اُن سے بچھڑنے کا غم نہیں

اہلِ نظر! یہ ضبط بھی شایانِ غم نہیں؛
دِل میں بپا ہے حشر مگر آنکھ نم نہیں

شاید اِسی لیے ہے زمانے کا یہ سلوک
کچھ دِن سے ہم پہ اُن کی نگاہِ کرم نہیں

مرنے کی آرزو ہے یہاں اصل زندگی
زاہد! یہ کوُئے دوست ہے باغِ اِرم نہیں

اِک بار ڈھے گیا تو بنایا نہ جائے گا
ظالم! خیال کر کہ یہ دل ہے، حرم نہیں

کتنے اُلجھ گئے ہیں مسائل حیات کے
جب سے تمہارے کاکلِ پیچاں میں خم نہیں

یہ کس نے ہاتھ سینۂ سوزاں پہ رکھ دیا
محسوس ہو رہا ہے کہ درد و الم نہیں

دیوانگی میں بھی نہ اُٹھے اُس طرف قدم
جس راستے پہ آپ کا نقشِ قدم نہیں

ہم غمزدوں کو دہر میں کوثر بفیضِ دوست
کیا کیا نشاط و عیش کے ساماں بہم نہیں

۷ر فروری ۱۹۶۰ء

○

عشق کا فرض کچھ اس طرح ادا ہوتا ہے
ہر نفس معرکۂ کرب و بلا ہوتا ہے
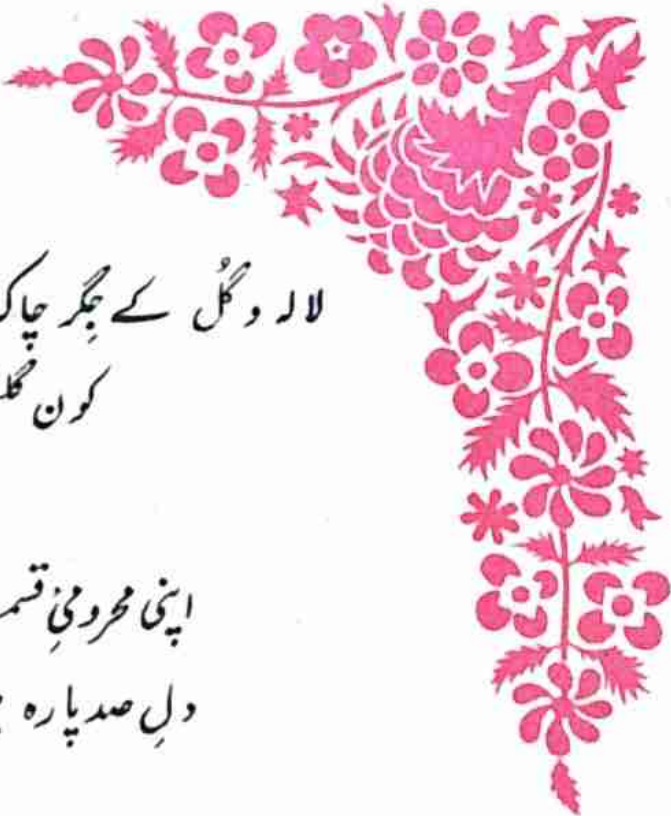
زاہدوں کی یہ نمازیں بھی بجا ہیں لیکن
سجدۂ عشق تہِ تیغ ادا ہوتا ہے

میری تقصیر ہے یا میرے کماں والے کی
نگہِ ناز کا کیوں تیر خطا ہوتا ہے

اپنی رسموں پہ نہ کر شرعِ محبت کا قیاس
دوستی کے لیے دستور جدا ہوتا ہے

حُسنِ معصُوم! میں اِس تیری کرامت کے نثار
لب پہ جو نالہ پہنچتا ہے دُعا ہوتا ہے
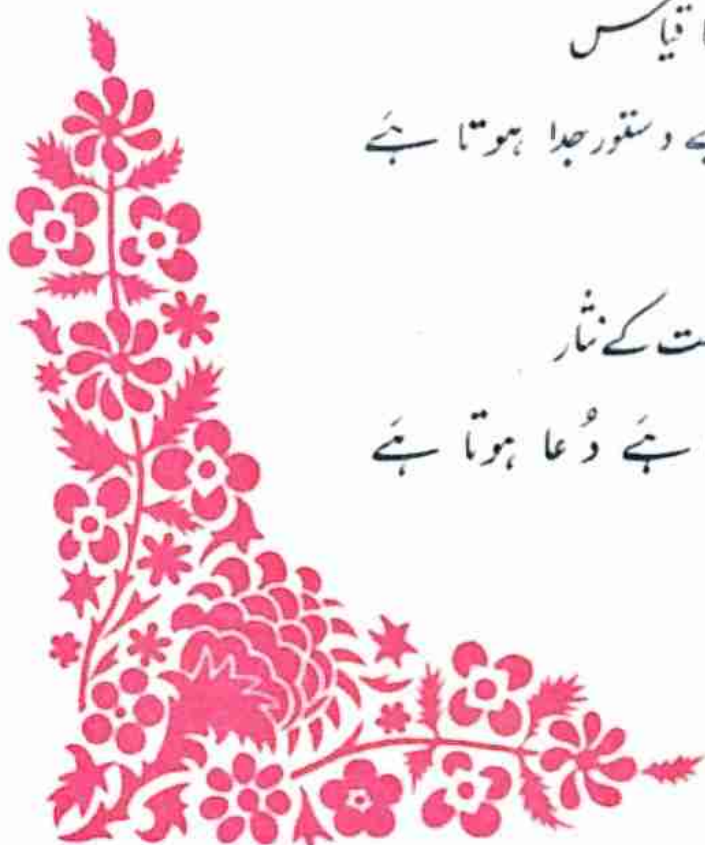
لالہ و گُل کے جِگر چاک ہُوئے جاتے ہیں
کون گلشن میں یہ سرگرمِ نوا ہوتا ہے

اپنی محرومیٔ قسمت پہ ہُوں نازاں کوثرؔ!
دلِ صدپارہ میں کہتے ہَیں خُدا ہوتا ہے

۲۸ فروری ۱۹۵۶ء

مُلّا و برہمن نہ تھے ، دیر و حرم نہ تھے!
اے دل! کب ان کی راہ میں یہ پیچ و خم نہ تھے

شاید انہیں کبھی نہ کبھی یاد آ سکے
ان سے تعلقات ہمارے بھی کم نہ تھے

اِلزام کس لیے تجھے اے چشمِ دوست دیں!
شایانِ التفات ہی دراصل ہم نہ تھے

دِل معترف ہے آپ کے الطافِ خاص کا
یہ اور بات ہے ، وُہ برنگِ کرم نہ تھے

اب مَیں ہُوں اَور شکوۂ آلامِ روزگار
تیری فضا میں کُوچۂ جاناں یہ غم نہ تھے
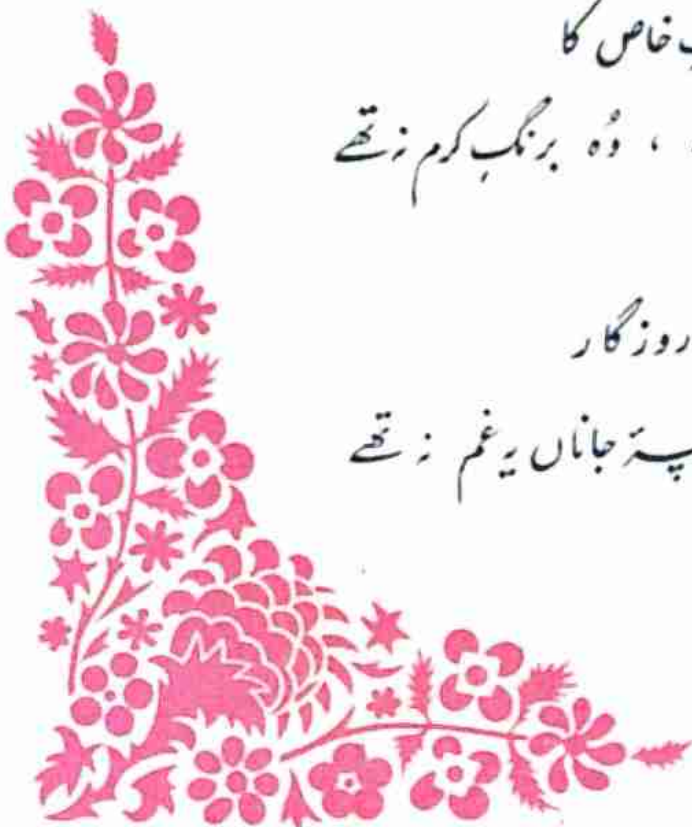
دِل کے غنا نے رُتبۂ شاہی عطا کِیا
ہم کیقباد و خُسرو و دارا و جم نہ تھے

کوثرؔ ! یہ ٹھیک ہے کہ زمانہ بخیل ہے
پھر بھی جو غم مِلے وُہ توقع سے کم نہ تھے

۳۰ مارچ ۱۹۵۹ء

○

زنغے میں جو حق ہے تو نئی بات نہیں ہے
کس دِن کے مقدّر میں یہاں رات نہیں ہے

جس بات کو صدیوں سے ترستا ہے زمانہ
اربابِ زمانہ میں وُہی بات نہیں ہے

دِن بھر کے گناہوں کی یہ پھیلی ہے سیاہی!
اے دیدہ ورو! اصل میں یہ رات نہیں ہے

بدلے سے ہیں کُچھ کُچھ نگہِ یار کے تیور
پہلی سی وُہ اب صُورتِ حالات نہیں ہے

اس وقت ہے وُہ، دہریں، سرحلقۂ اقطاب
کیا، آپ کی کوثر سے مُلاقات نہیں ہے؟

لاہور، ۱۲ر مئی ۱۹۵۹ء

○

اب کیا ہو گی آس
غم بھی نہ آیا راس

ہونٹوں پر شکوے
دل میں اُن کا پاس

اب کانٹوں کے مول
پھولوں کی بُو باس

دِل والوں سے پُوچھو!!
نعمت ہے احساس

شاہوں سے بڑھ کر
کوثرؔ اُن کے داس

۶ر ستمبر ۱۹۵۹ء

○

واعظ ! یہ تری شوخیِ گفتار نہ ہوگی
جو بات ہے منبر پہ سرِ دار نہ ہوگی
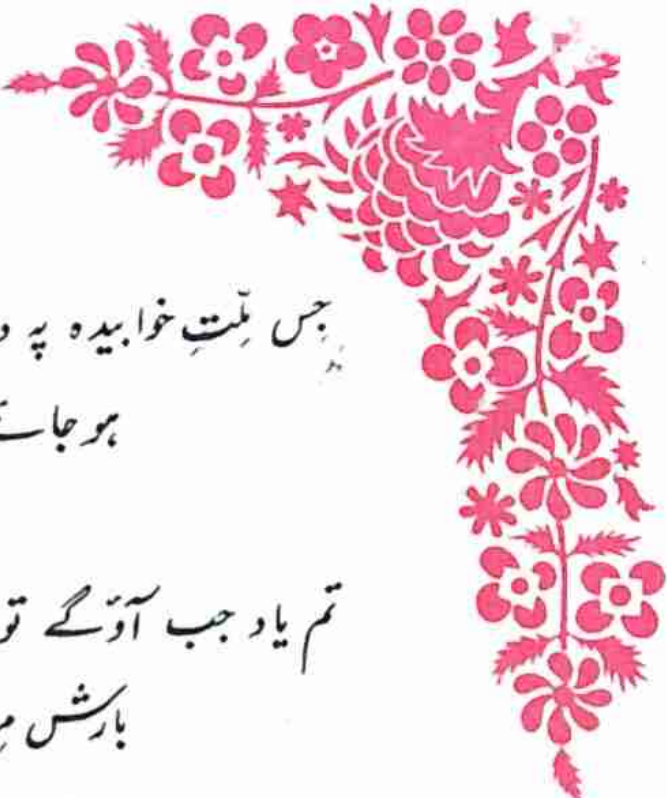
جب تک نہ ہو اس چشمِ فسوں گر کا اِشارہ
ہم سے تو کبھی جُرأتِ اظہار نہ ہوگی

اب تم بھی مرے درد کا درماں نہ بنوگے
اب تم سے بھی تسکینِ دلِ زار نہ ہوگی

پھُولوں کی طلب اور غمِ دامنِ صد چاک
دُنیا تو کبھی گلشنِ بے خار نہ ہوگی

اے ہمسفرو ! آپ ہی پتوار سنبھالو
ملّاح سے یہ ناؤ کبھی پار نہ ہوگی

جس ملّتِ خوابیدہ پہ دل گرمِ فغاں ہے
ہو جائے اگر حشر تو بیدار نہ ہو گی

تم یاد جب آؤ گے تو پڑ جائیں گے چھینٹے
بارش مِرے اشکوں کی لگاتار نہ ہو گی

دُنیا کی طرح چھوڑ کے آجائیں گے کوثر!
جنّت بھی اگر کوچۂ دِلدار نہ ہو گی۔

۷ ستمبر ۱۹۵۹ء
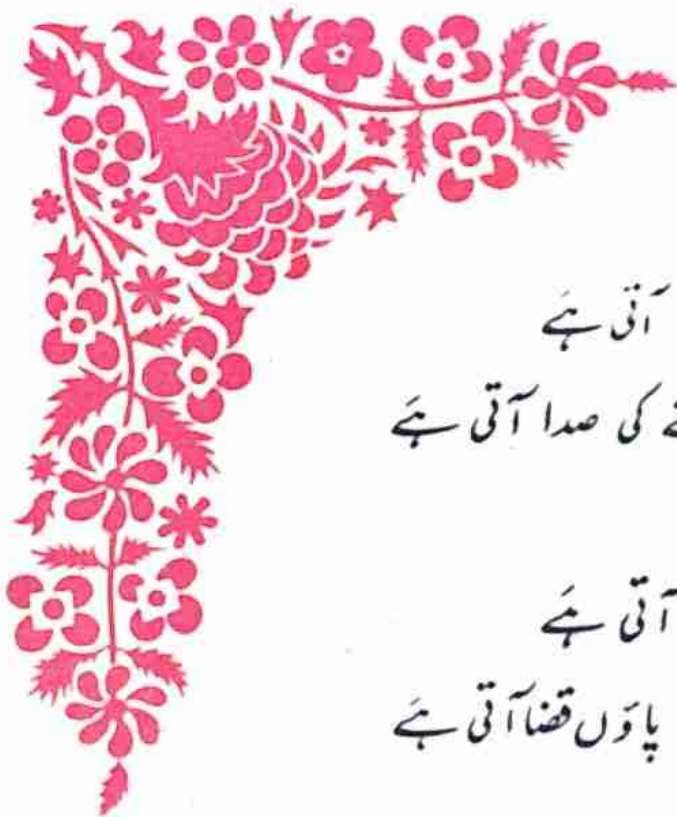
شب کو جب، گورِ غریباں سے ہوا آتی ہے
دلِ گیتی کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے
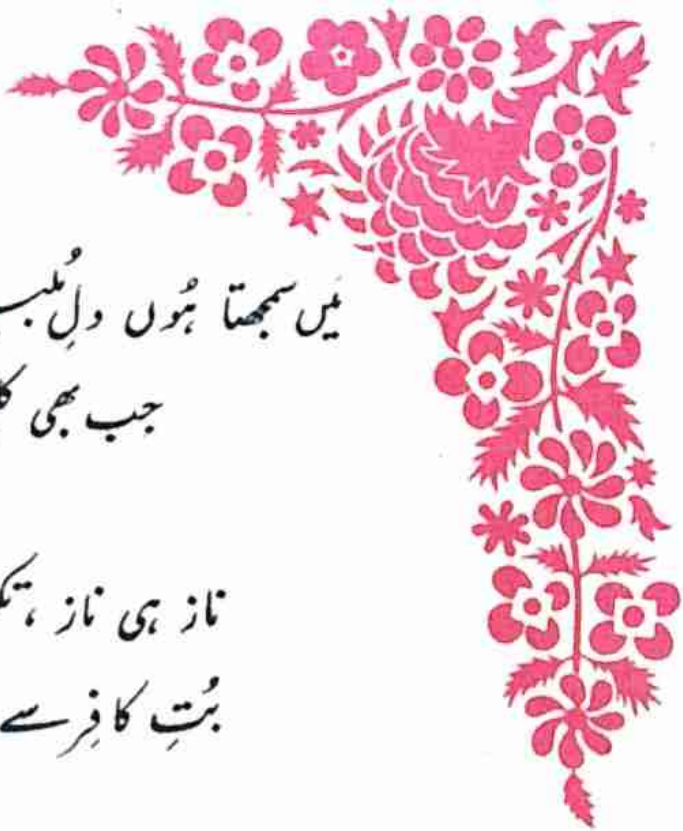
سانس لیتا ہُوں، تو، آوازِ بُکا آتی ہے
میری بالیں پہ، دبے پاؤں قضا آتی ہے

خاک کہتی ہے کہ یہ بھی ہیں مِرے لختِ جگر!
پھُول چُنتا ہُوں تو کانٹوں سے حیا آتی ہے

طالبِ داد بھی ہو ہم پہ سِتم فرما کر!
کب کِسی اور کو یہ طرزِ جفا آتی ہے

کیا خبر، کیوں دلِ ناشاد کو ہنگامِ غروب،
یاد بے مہرئ اربابِ وفا آتی ہے

میں سمجھتا ہوں دلِ بلبلِ ناداں ٹوٹا،
جب بھی کلیوں کے چٹکنے کی صدا آتی ہے

نازہی ناز، تکبّر ہی تکبّر کوثر
بُتِ کافر سے مجھے یادِ خدا آتی ہے

۲ر دسمبر ۱۹۵۹ء

آبادیِ گلشن کا ساماں، اے بلبلِ گریاں ہوتا ہے
گلچیں بھی ہے کچھ کھویا کھویا، مالی بھی پشیماں ہوتا ہے

جب کالے بادل آتے ہیں، اور تارے سب چھپ جاتے ہیں
فرقت کی اندھیری راتوں میں پلکوں پہ چراغاں ہوتا ہے

موجوں میں تلاطم ہو نہ اگر محبوب کنارہ ہو کیوں کر
ساحل کے پرستارو! ساحل، پروردۂ طوفاں ہوتا ہے

اللہ رے یہ ناوک فگنی الزام بھی جس کا دے نہ سکیں
جو تیرِ نظر آتا ہے اِدھر پیوستِ رگِ جاں ہوتا ہے

ہو لاکھ ہجومِ رنج و الم ہم فکرِ سخن کر لیتے ہیں
جب سازِ دل و جاں پر کوئی چپکے سے غزلخواں ہوتا ہے

۲ر مارچ ۱۹۶۰ء

اللہ اللہ یہ فریبِ نظر
میں، خذف کو سمجھ رہا ہوں قمر

کل جو دمکا، اُفق پہ رُوئے سحر
ہم کو، وُہ یاد آئے، رہ رہ کر

میری دُنیا مقامِ تیرہ و تار
تیری دُنیا جہانِ شمس و قمر

پھر جھپکنے لگیں تری پلکیں!
پھر ہُوئی کائنات زیروزبر

صُبح، پیغامِ ظلمتِ شب ہے
ظلمتِ شام ہے نویدِ سحر

قابلِ اعتماد کیا ہو گی
وہ خِرد جو نہیں جنوں پرور

پھر ترے نقشِ پا کی طالب ہے
زِندگی کی اُداس راہگزر

دِیدہ و دِل ہیں منتظر کب سے
اس طرف بھی کرم کی ایک نظر

مُژدہ باد! اے ہَوائے رُکنا باد
آج آئے ہیں حضرتِ کوثرؔ

مظفر آباد سے آتے ہوئے
۶ر مئی سنہ ۱۹۶۰ء

باغباں کے طور یہ سمجھا گئے
فصلِ گُل میں پھُول کیوں مُرجھا گئے ؟

اب تو اے ظالم زمانے رحم کر
اُن کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے

رنگ اُڑا ، زُلفیں پریشاں ہوگئیں
دیکھ کر مُجھ کو ، وُہ یُوں گھبرا گئے

اے زہے اعجازِ رندانِ کرام
جام کھنکائے تو بادل چھا گئے

شامِ غم کا پُوچھ لیں گے ہم مزاج
آپ کے گیسو اگر لہرا گئے

دُشمنوں سے بھی گِلہ جاتا رہا
دوست ہم پر وُہ کرم فرما گئے

مَوت ہے اِس جُرم کی کوثرؔ سزا
ہم فریبِ زندگی کیوں کھا گئے

لاہور، ۴ جون ۱۹۶۰ء

ان سے مل کر بھی نہ راحت ہو گی
کیا خبر تھی کہ یہ حالت ہو گی!

عقل کے نام سے وحشت ہو گی
اور ناصح کی بدولت ہو گی
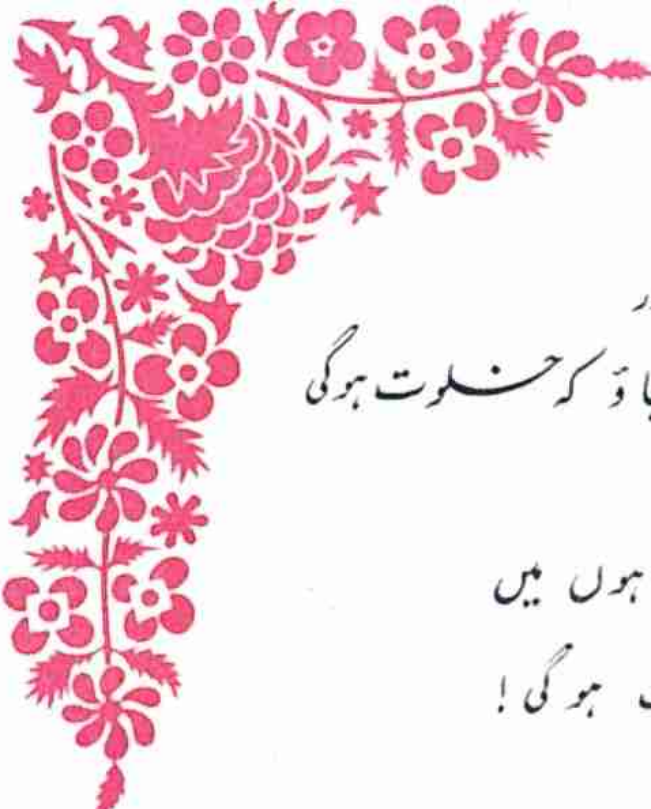
یہ زمیں روکشِ جنّت ہو گی
جب محبّت ہی محبّت ہو گی

قُربتِ دوست سے محرومی ہے
اس سے کیا بڑھ کے قیامت ہو گی

یاد آئیں گی ہماری باتیں!
جب کبھی آپ کو فُرصت ہو گی

لوگ ظالم ہیں نہ سمجھیں کچھ اور
دِل میں آ جاؤ کہ خلوت ہوگی

لوگ کہتے ہیں کہ دیوانہ ہوں میں
آپ کہہ دیں تو حقیقت ہوگی!

وادیِ کاغان
۱۶ر ستمبر ۱۹۶۰ء

○
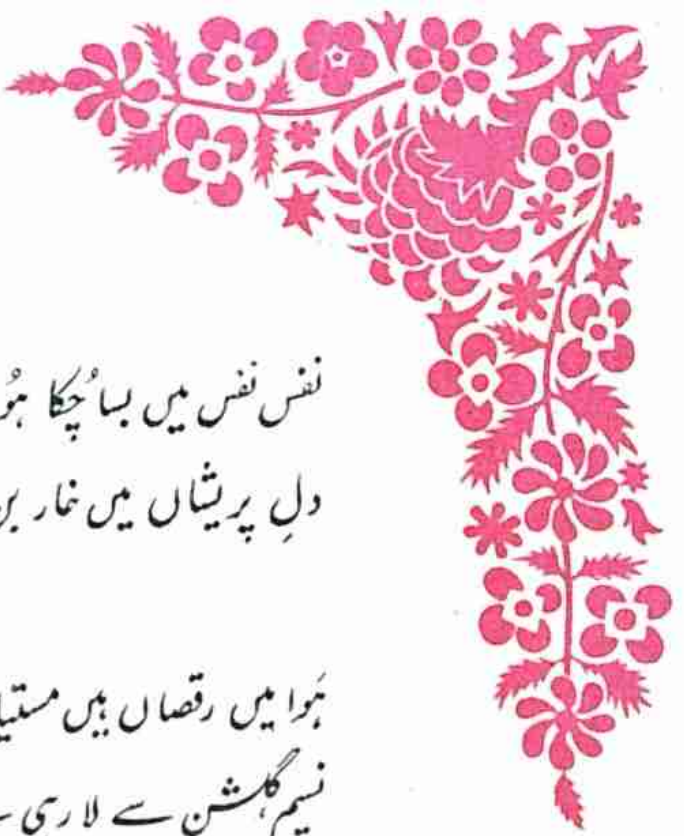
نفس نفس میں بسا چکا ہُوں میں جب سے اُس پیرہن کی خوشبُو
دلِ پریشاں میں خار بن کر کھٹک رہی ہے چمن کی خوشبُو

ہَوا میں رقصاں ہیں مستیاں سی ، مُجھے سنبھالو بہک نہ جاؤں
نسیمِ گلشن سے لا رہی ہے کِسی کے نازک بدن کی خوشبُو

ہزار جھُومیں ، ہزار گائیں ، ہزار قلب و نظر پہ چھائیں
کہاں سے لائیں گے مست جھونکے مگر ترے بانکپن کی خوشبُو

وُہ اور ہوں گے جنھیں یہ منظرِ پیامِ حرمان و یاس دے گا
مجھے تو ظُلماتِ شب سے آتی ہے ایک روشن کرن کی خوشبُو

مَیں قَید میں ہُوں مگر تخیّل پہ کون پہرے بٹھا سکے گا
اُڑا کے لے جائے گی جہاں میں ہوا مرے فکر و فن کی خوشبُو

۳ر اپریل ۱۹۶۰ء

بے سبب آج آنکھ پُر نم ہے
جانے کس بات کا مُجھے غم ہے

پھر کوئی اہتمامِ ماتم ہے
میرے سینے میں درد کم کم ہے

یہ تعلّق ہی مجھ کو کیا کم ہے
آپ کے آستاں پہ سر خم ہے

آپ کی یاد بھی نہیں آتی
دلِ وحشی کا اب یہ عالم ہے

خیر ہو اُن کے دست و بازو کی
زخم کو احتیاجِ مرہم ہے

ان کے کیوں ہو کے رہ گئے کوثرؔ
بزمِ احباب ہم سے برہم ہے

لاہور، ۱۹؍ اکتوبر ۱۹۶۰ء

خوبصورت ہیں تو کتنے ہیں یہ سوچا ہی نہیں
اُن کی جانب تو کبھی غور سے دیکھا ہی نہیں

حُسن، بیتاب ہے خود چشمِ محبّت کے لیے
دید کا میری طرف سے تو تقاضا ہی نہیں

پھر یہ آواز سی کیا تھی، مجھے معلوم تو ہو
آپ کہتے ہیں تمہیں ہم نے پکارا ہی نہیں

التفاتِ نگہِ یار کے قرباں لیکن
دلِ مرحوم میں اب کوئی تمنّا ہی نہیں

مہر و اخلاص و وفا تو ہے بڑی دُور کی بات
کوئی اس بزم میں کوثرؔ کا شناسا ہی نہیں

لاہور، ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۰ء

جب تک آپ کے رُخ کی چاندنی نہیں ہو گی
زِندگی کے ایواں میں روشنی نہیں ہو گی

اور کچھ بھی ہو جائے آپ کے فقیروں سے
دوستی کے پردے میں دُشمنی نہیں ہو گی

آنکھ جن کی پُرنم ہو ، جان کا جنہیں غم ہو
اُن فریب کاروں سے عاشقی نہیں ہو گی

حُسن کی اداؤں کے بے شُمار پہلُو ہیں
اُس نگاہِ برہم میں بے رُخی نہیں ہو گی

جذبِ عشق و مستی میں ڈُوب کر فنا ہو جا
عقل کی پرستش سے آگہی نہیں ہو گی

یادِ یارِ رنگیں میں جو کٹی نہیں کوثر !
کوئی اور شے ہو گی زِندگی نہیں ہو گی

لاہور، ۵ دسمبر

آپ کی یادِ عناں گیر نہ ہو جائے کہیں
سعیِ منزل مری تقدیر نہ ہو جائے کہیں

منزلِ ضبط میں، یہ سوچ کے، جی ڈرتا ہے
خامشی، چشمۂ تقریر نہ ہو جائے کہیں

میری تخئیل نے وہ رنگ بھرے ہیں اِس میں
تجھ سے بڑھ کر تری تصویر نہ ہو جائے کہیں

مجھ کو یہ خوف ہے اے راہ گزارِ محبوب
تو، مرے پاؤں کی زنجیر نہ ہو جائے کہیں

زلف بکھرائے نکل آئیں وہ گھر سے کوثر
اِس قدر آہ میں تاثیر نہ ہو جائے کہیں!

۲۰ رجون ۱۹۵۹ء

ہم دل کی تباہی کا یہ ساماں نہ کریں گے
اس گھر میں کسی اور کو مہماں نہ کریں گے

گھبرا کے کبھی چاک گریباں نہ کریں گے
بدنام تجھے فصلِ بہاراں نہ کریں گے

مشعل کو چراغِ تہِ داماں نہ کریں گے
جو داغ ہیں سینے میں وہ پنہاں نہ کریں گے

ٹکرائیں گے تیرے لیے ہر موجِ بلا سے !
ساحل پہ کھڑے شکوۂ طوفاں نہ کریں گے

اے وُہ کہ تری یاد ہے تسکینِ دل و جاں
حالات ہمیں کچھ بھی پریشاں نہ کریں گے

یہ درد کہ ہے تیری محبّت کی امانت !
مرجائیں گے اِس درد کا درماں نہ کریں گے

اے دوست ! محبّت کی نزاکت ہے نظر میں
ہم تجھ کو کسی طور پشیماں نہ کریں گے

دل میں ہے تری چاہ تو اے جانِ تمنّا
ہم اور کسی چیز کا ارماں نہ کریں گے

رحیل

تھی وُہ اِک درماندہ رہرو کی صدائے دردناک
جس کو آوازِ رحیلِ کارواں سمجھا تھا میں

جمہوریہ اسلامیہ کی پہلی عید!

ہلالِ عید! سوادِ وطن میں جھانک کے دیکھ
کہ ارضِ پاک میں ہے کن مسرتوں کا ہجوم
زباں پہ عظمتِ باری کا ذکر جاری ہے
دلوں میں عزمِ نوی کے چمک رہے ہیں نجوم

ہر ایک ذرہ میں تاباں ہیں سینکڑوں خورشید
ہر ایک راہ گزر ہے مثیلِ کاہکشاں
بلند و پست گلے مل گئے محبت سے
خوشا یہ اوجِ مقدر! خوشا یہ بخت جواں!

یہ دینِ حق کے محافظ یہ عظمتوں کے امیں
یہ جن کے چہروں سے ایمان کا جلال عیاں
بڑے خلوص سے تجھ کو سلام کہتے ہیں
دعا کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے یہ پیر و جواں

دعا کو ہاتھ اُٹھائے ہُوئے یہ پیر و جواں
جو تیری دید کو سو اِلتزام سے آئے
یہ چاہتے ہیں کہ دستُور کے نفاذ کے بعد
یہ پہلی عید بڑے اہتمام سے آئے

رواں دواں ہوں پئے منزل رضائے خُدا
نہ یاس ہی کی تھکن ہو نہ خطرۂ رہزن
سرودِ عظمتِ ماضی کی یاد تازہ ہو
نفس نفس ہو وُہ مے خانۂ نشاطِ کہن

ہلالِ عید! سوادِ وطن میں جھانک کے دیکھ
کہ ارضِ پاک میں ہے کن مسرّتوں کا ہجُوم
زباں پہ عظمتِ باری کا ذِکر جاری ہے
دِلوں میں عزمِ نوی کے چمک رہے ہیں نجُوم

ہلالِ عید سے

صبا کا لوچ ، گلوں کا نکھار لے کر آ
پیامِ رحمتِ پروردگار لے کر آ

اداس اداس شگوفے روش روش پامال
مِرے چمن میں نویدِ بہار لے کر آ

ہر ایک شاخ پہ زاغ و زغن کا قبضہ ہے
نوائے قمری و صوتِ ہزار لے کر آ

دُھواں دُھواں سی فضا ہے بُجھا بُجھا ماحول
نئی حیات کے رقصاں شرار لے کر آ

رہِ حیات میں ہر سُو بھٹک رہی ہے خِرد
جنوں کا جذبۂ بے اختیار لے کر آ

ہمارے حالِ زبُوں پر نہ غم کا کر اظہار
نہ اس طرح سے دلِ داغ دار لے کر آ

یہ ایک چیز جہاں میں کہیں نہیں مِلتی!
ہلالِ عید! دِلوں کا قرار لے کر آ

ذکرِ حسین رضی اللہ عنہ

(۱)

دِل و دماغ میں مہر و وفا کے افسانے
تصوّرات میں روشن فضائے بدر و حُنین
خوشا یہ اَوجِ مقدّر زہے یہ عزّ و شرف
مری زبان پہ جاری ہے آج ذکرِ حُسین رضی اللہ عنہ

(۲)

شہیدِ راہِ محبّت ہے زندۂ جاوید
یہ راز تیری شہادت نے ہم پہ کھول دیا
بُھلا سکیں گے نہ اہلِ وفا ترا احساں
کہ تُو نے مَوت کی تلخی میں شہد گھول دیا

(۳)

بنامِ نسل و نسب طرزِ پادشاہی نے
قبائے وحدتِ ملّت کو تار تار کیا
وُہ ظُلم ڈھائے کہ غیروں کو آگیا رونا
عجیب رنگ یہ اپنوں نے اختیار کیا

(۴)

نہ فکر سُود و زیاں کی، نہ خوفِ تیغ و تبر
حُسینؓ! راہِ خُدا میں تری یہ بیتابی
بہارِ گلشنِ اسلام میں پلٹ آئی
کہ تیرے خُوں سے قائم ہے اسکی شادابی

(۵)

کہیں بھی اہلِ محبّت کی تشنگی نہ بُجھی
فرات و نیل کے ساحل سے تا بہ گنگ و جمن
برائے لالہ و گل اجنبی ہے فصلِ بہار
خزاں کے دستِ تصرّف میں آگیا ہے چمن
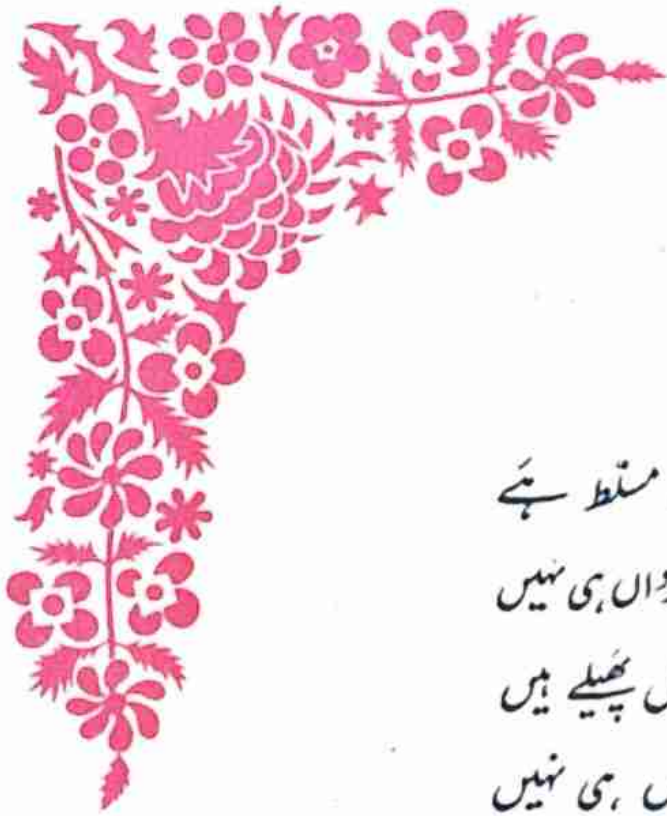
(۶)

جہاں پہ آج وہی شیطنت مسلط ہے
خُدا کے دِین کا سِکّہ کہیں رواں ہی نہیں
قدم قدم پہ گُناہوں کے جال پھیلے ہیں
دِل و نِگاہ کو حاصل کہیں اماں ہی نہیں

(۷)

ہر ایک سمت ہیں عِفریتِ ظُلم کے رقصاں
خُدا کے دِین کا حلقُوم ہے تہِ شمشیر
نئے یزید، نئی کربلا ہُوئی پیدا
زمانہ ڈھونڈ رہا ہے کوئی نیا "شبیّر"

۱۹ر جولائی ۱۹۵۶ء

اے قائدِ اعظمؒ

حق بات کی خاطر وہ تری سعیِ منظّم
محدود وسائل میں بھی وُہ کوششِ پیہم
سچ ہے کہ خدا پر ترا ایمان تھا محکم
اے قائدِ اعظمؒ!!

توحید کا گونجا تھا فضاؤں میں ترانہ
باطل کا فسوں ہوگیا دم بھر میں فسانہ
لاریب ہُوا ہندو و انگریز کا سر خم
اے قائدِ اعظمؒ!!

آزادیِ ملّت کے طلب گار سبھی تھے
کیا جانئے کیوں پیکرِ ایثار سبھی تھے
اب تک ہے مجھے یاد وہ جذبات کا عالم
اے قائدِ اعظمؒ!!
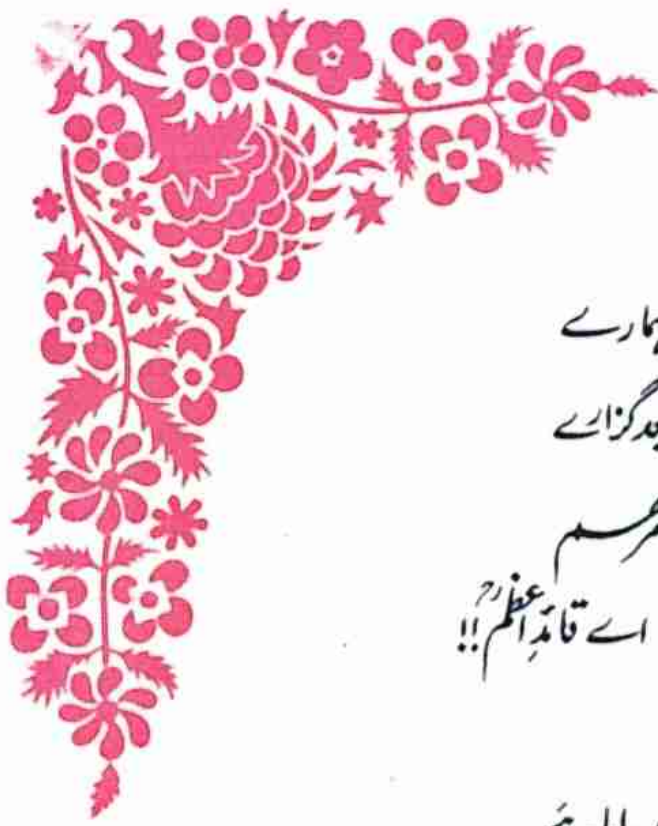
رہزن ہی مگر ہو گئے رہبر یہ ہمارے
اس حال میں دن ہم سے ترے بعد گزارے
رکھا نہ گیا ہم سے کسی زخم پہ مرہم
اے قائدِ اعظمؒ!!

کانٹوں نے بہاروں کا لہو چوس لیا ہے
ظلمت نے ستاروں کا لہو چوس لیا ہے
ابلیس نے لوٹی ہے یہاں عظمتِ آدم
اے قائدِ اعظمؒ!!

پیغام ترا دیس میں پھر عام کریں گے
جو کام مسلماں کا ہے وہ کام کریں گے
یہ راہ کٹھن راہ سہی، پھر بھی نہیں غم
اے قائدِ اعظمؒ!!

شہیدانِ الجزائر

مجھ سے احباب یہ کہتے ہیں کہ اِک نظم لکھوں
جس میں افرنگ سے مَیں شکوۂ بیداد کروں
اپنے کھوئے ہُوئے جذبات کی تسکیں کے لِیے
فلکِ پیر بھی ہِل جائے وُہ فریاد کروں

یہ بتاؤں کہ شہیدانِ "جزائر" کا لہُو
اپنے مقصُود میں یہ بیکار نہیں جائے گا!
اور افرنگ بایں جاہ وحشم قُدرت سے
سِتم و جور کے بدلے میں سزا پائے گا

یہ تقاضا ہے کہ پُرسوز مراثی لِکھ کر:
درو دِیوار کو مَیں آج رُلا کر چھوڑوں
جس کے شُعلوں میں جہنّم کی غضب ناکی ہو
خرمنِ کُفر میں وُہ آگ لگا کر چھوڑوں

یہ بھی کہہ دوں کہ "جزائر" میں برسنے والی
گولیاں لگتی ہیں آ آ کے مرے سینے پر
مرحبا! اے طلبِ زیست میں مرنے والو!
آج احساسِ ندامت ہے مجھے جینے پر

یہ سناؤں کہ کبھی کاغذی دیواروں سے
حق کا سیلاب زمانے میں نہیں رُک سکتا
یہ بھی لکھوں کہ مُسلمان جسے کہتے ہیں،
دہر میں ظلم کے آگے وُہ نہیں جُھک سکتا!

نظم لکھنے کا یہ ارشاد بجا ہے لیکن
مُجھ سے یہ زحمتِ بے کار نہیں اُٹھ سکتی
میری رگ رگ میں سمایا ہے یہ کربِ احساس
مُجھ سے اِن کے لیے تلوار نہیں اُٹھ سکتی

مُجھ سے احباب یہ کہتے ہیں کہ اِک نظم لکھوں
جس میں افرنگ سے مَیں شکوۂ بیداد کروں
اپنے کھولے ہُوئے جذبات کی تسکیں کے لیے
فلکِ پیر بھی ہل جائے وُہ فریاد کروں

بحضرتِ اقبالؒ

دلیلِ بے خبری، تیرگیِ شب کا خیال
کہا یہ کس نے مُسافر سے آفتاب نہ ڈھال

نہ فقرِ بوذرؓ و سلمانؓ، نہ سوزِ قلبِ بلالؓ
فقیہ و واعظ و صُوفی ہیں صِرف قال ہی قال

دفُورِ نشۂ طاقت میں جھُومنے والو!
مری نظر میں ہیں تاریخ کے عروج و زوال

ہے قہقہوں کے تعاقب میں آنسوؤں کا جلُوس
مَیں جانتا ہُوں زمانے کی عشرتوں کا مآل!

تری جھلک ہے کہ صہبائے تند و تیز کا جام
چلا مَیں ساقیِ مہوش، مجھے سنبھال سنبھال
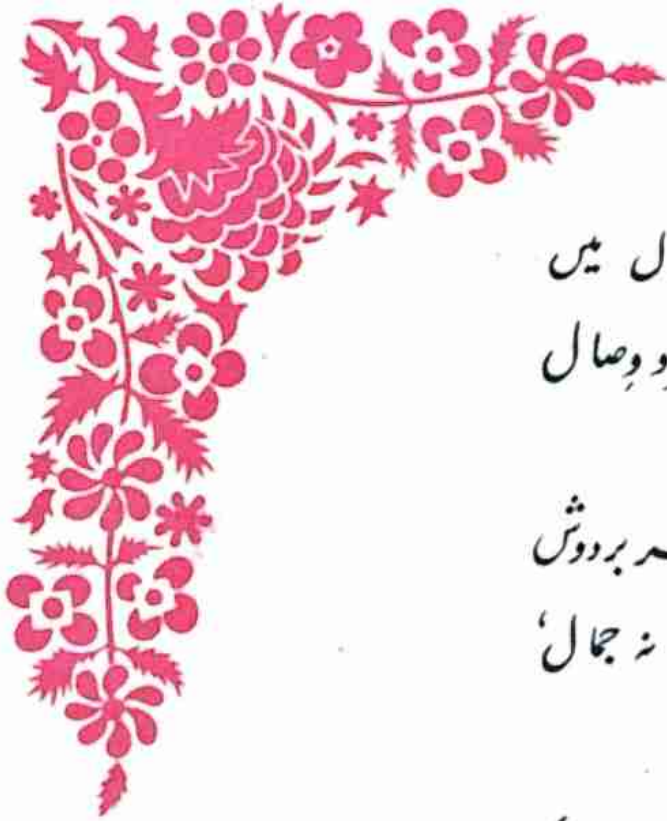
شعورِ عشق ہے ناپختگی کی منزل میں
دل و دماغ میں ہے امتیازِ ہجر و وصال

صنم پرست ہیں خنجر بکف تبر بردوش
بُتانِ عصرِ نَو میں جلال ہے نہ جمال

یہ آدمی تو نہیں آدمی کا لاشہ ہے!
نہ حُسنِ سیرت و کردار ہے نہ صدقِ مقال

نشانِ راہ سے اے دل نہ مطمئن ہو جب
اک اضطرابِ مسلسل ہے آرزوئے کمال

فقیہِ شہر کا اِرشاد کچھ بھی ہو لیکن
مرے کلام کو کہتے ہیں لوگ سحرِ حلال

بمصطفےٰ برساند خویش را کوثر!
بگو سلام عقیدت بحضرتِ اقبالؒ

۱۵ اپریل ۱۹۹۰ء

وادیِ کاغان کی یاد!

باٹا کنڈی کی، بھلدران کی، شگران کی یاد
دلِ شاعر میں ہے خوابوں کے پرستان کی یاد

یہ پگھلتی ہوئی چاندی سا چمکتا پانی!
دِل سے جائے گی نہ اب وادیِ کاغان کی یاد

مُصحفِ رُوئے دِل آرا کی تلاوت جیسے
کِتنی رنگین و دِل افروز ہے ناران کی یاد

اِسی خواہش میں چلا آیا ہوں "بابوسر" پہ
اس کی چوٹی سے مجھے آئے گی فاران کی یاد

کاش اس مست خُنک چھاؤں میں تم بھی ہوتے
دل میں اب تک ہے اس اِک حسرت و ارمان کی یاد
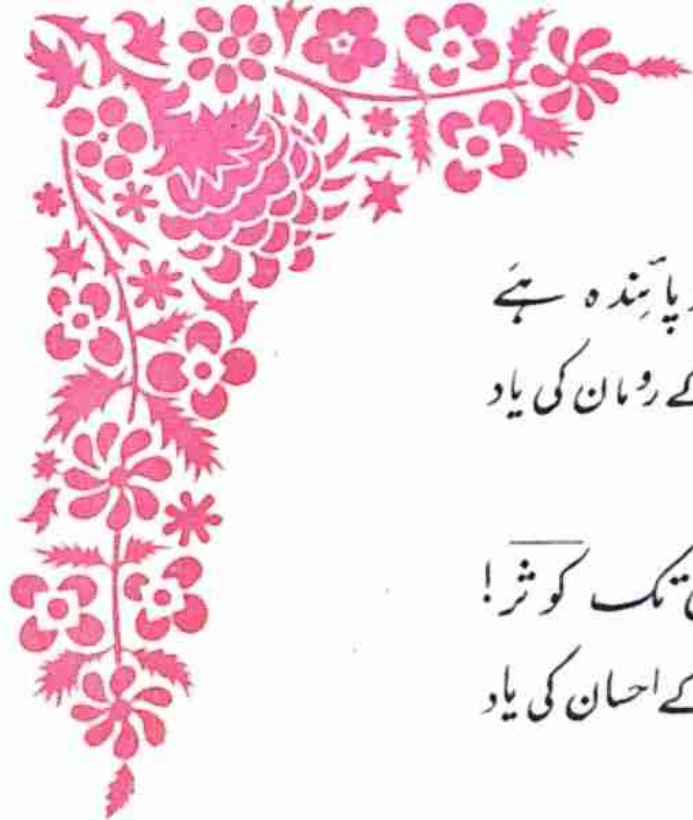
عِشق جِس رنگ میں ہو زِندہ و پائندہ ہے
دِل ہر سنگ میں ہے "سیف" کے رومان کی یاد

جبر کر کے مجھے لے آئے یہاں تک کوثرؔ!
دِل سے جائے گی نہ احباب کے احسان کی یاد

کاغان ۱۷ ستمبر ۱۹۶۰ء

مزارِ شہیدؒ

(بالاکوٹ میں شاہ اسمٰعیل شہید کے مزار پر)

طلوعِ مہر ہے، پلکوں پہ رقصِ شبنم ہے
دل و نگاہ میں سرمستیوں کا عالم ہے
یہ کیا ہُوا کہ مزارِ شہیدؒ پر آ کر!
دلِ حریص میں جینے کی آرزو کم ہے

یہ کوہسار، یہ دریا، یہ سبزۂ خود رو
یہ سادگی، یہ فضا، دشت کی یہ تنہائی
کہاں غروب ہُوا آفتابِ علم و عمل
یہ بات سوچ کے شاعر کی آنکھ بھر آئی
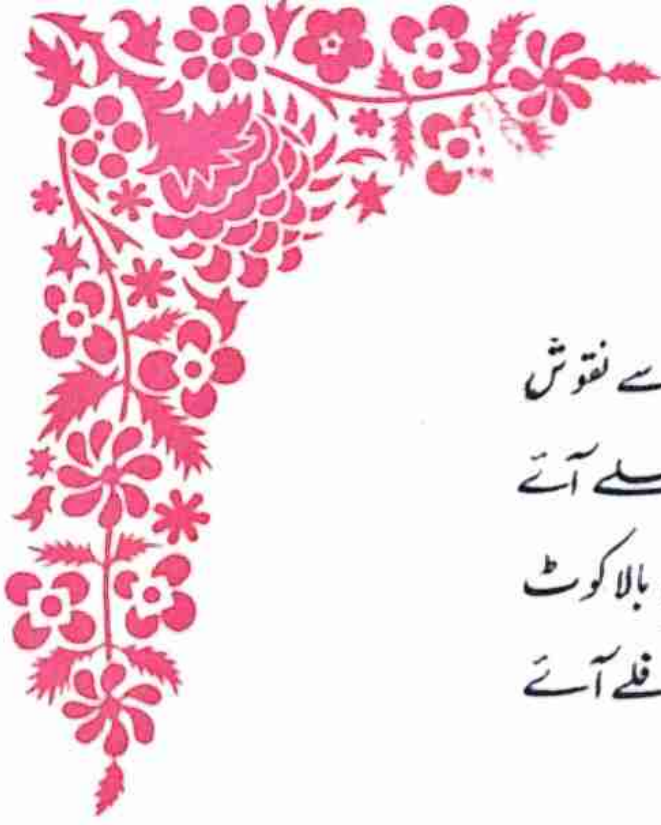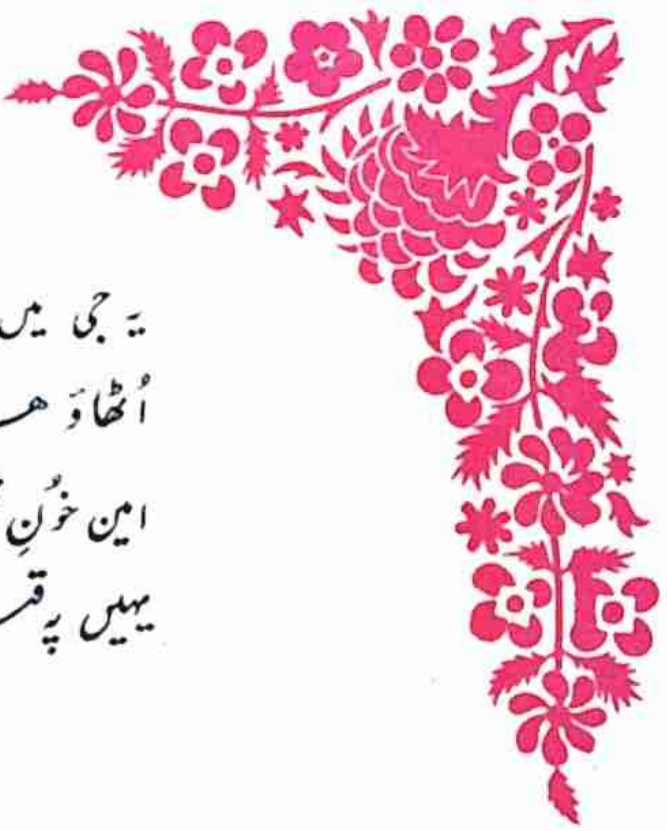
دِل و دماغ میں اُبھرے مٹے مٹے سے نقوش
تصوّرات میں یادوں کے سلسلے آئے
بہت ہی دُور ہے دِلّی سے ارضِ بالاکوٹ
کہاں سے چل کے محبت کے قافلے آئے

نگاہِ دوست نے لاکھوں میں اِنتخاب کیا
خوشا یہ ان کا مقدر، خوشا یہ ان کا نصیب
عجیب شان سے آئے وُہ جانبِ مقتل
زباں پہ ذِکر خدا دِل میں آرزُوئے حبیبؐ

گِلہ کرو نہ رہِ دوست میں حوادث کا!
یہ مَوج، موجۂ طُوفاں نہیں ہے، ساحل ہے
جو مَوت آئے رضائے حبیبؐ کی خاطر
وُہ موت، مَوت نہیں، زِندگی کا حاصِل ہے

یہ جی میں ہے کہ ابھی اپنے دوستوں سے کہوں
اُٹھاؤ ہاتھ اُٹھاؤ ذرا دُعا کے لیے
امینِ خونِ شہیداں ہے یہ حسیں وادی
یہیں پہ قبر بنانا مری، خُدا کے لیے!

بالاکوٹ ۱۹ر ستمبر سنہ ۱۹۶۰ء

ذوقِ سجدہ میں کسی عنوان کمی آتی نہیں
اے جبینِ شوق! اُن کا سنگِ در ہو جائیے
کائناتِ حسن ہے کوثرؔ یہ حسنِ کائنات
دل یہ کہتا ہے کہ سرتاپا نظر ہو جائیے

جگرِ لخت لخت

کرتا ہُوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
مُدّت ہُوئی ہے دعوتِ مژگاں کیے ہُوئے

اے غمِ دوست! آ گلے لگ جا
ایک تُو ہی مِرا سہارا ہے

کِتنا انجان بن کے پُوچھا ہے!
تم نے دِن کِس طرح گُزارا ہے

چشمِ بِینا ہی گُم ہے اے کوثر
حُسنِ قُدرت تو آشکارا ہے

○

ہمیشہ بے بسی میں کچھ سہارے یاد آتے ہیں
بھنور میں آئے جب کشتی کنارے یاد آتے ہیں

ستارو! رقص میں آؤ تمہاری جھلملاہٹ سے
نگاہِ ناز کے رنگیں اِشارے یاد آتے ہیں

تصوّر میں اُنہیں جو ہر گھڑی رکھتے ہیں اے کوثر
اُنہیں بھی کیا کبھی وُہ غم کے مارے یاد آتے ہیں

جنوری ۱۹۵۵ء

برگِ گل

"آہستہ برگِ گل بفشاں برمزارِ ما"

نغمۂ زنداں

(غزلیات)

اس خطا پر ہوئے اسیرِ خزاں
کیوں بہاروں کے گیت گاتے ہیں

اِس ملک پہ مولیٰ کا کرم ہو کے رہے گا
یہ دَیر کسی روز حرم ہو کے رہے گا

جیتے ہیں اسی آس پہ ناکامِ محبت
اِک روز وہ مائل بہ کرم ہو کے رہے گا

پہرے تو بٹھا دو گے مگر میرے قلم سے
پیغام صداقت کا رقم ہو کے رہے گا

زندانیو! گھبراؤ نہ اس جور و جفا سے
اکڑا ہوا سر جبر کا، خم ہو کے رہے گا

ہاں سنگِ گراں اور بھی اس راہ میں آئیں
یہ قافلہ اب تیز قدم ہو کے رہے گا

وہ وقت بھی آئے گا کہ مظلوم پہ کوثرؔ!
جو ہاتھ بھی اُٹھے گا، قلم ہو کے رہے گا

بورسٹل جیل لاہور
۱۰ اپریل ۵۳ء
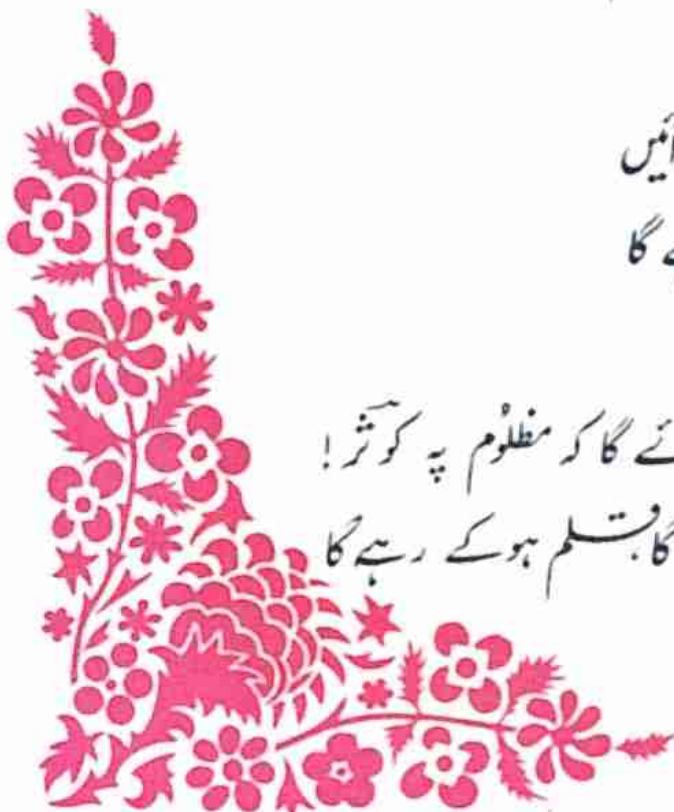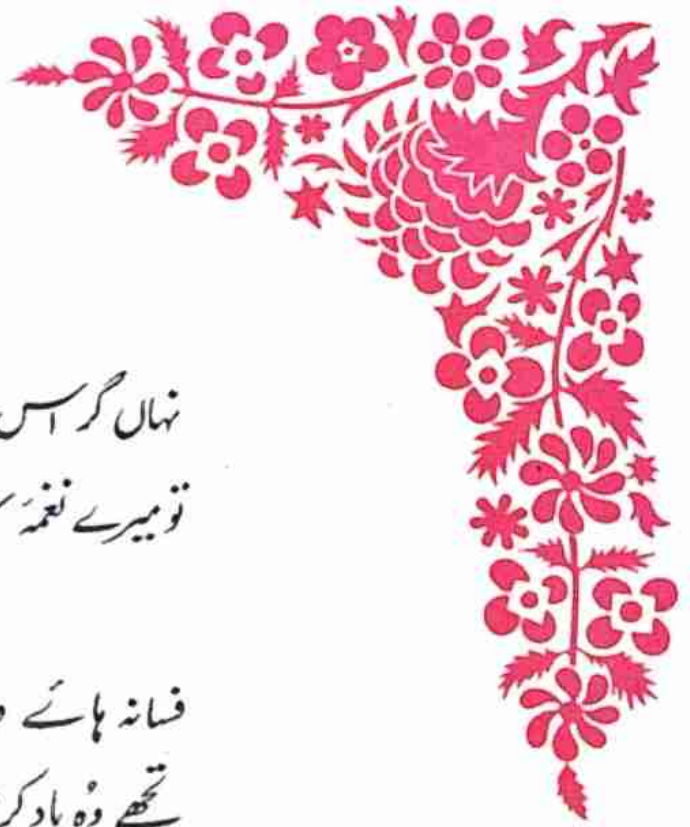
نہاں گر اس میں صدائے جرس کی بات نہیں
تو میرے نغمۂ شیریں میں رس کی بات نہیں

فسانہ ہائے وفا بھول جا دلِ ناداں!
تجھے وہ یاد کریں ان کے بس کی بات نہیں

جسے سناؤں تو آنسو نہ رک سکیں ہمدم!
وہ رودادِ چمن ہے قفس کی بات نہیں

ملی جو مفت کی زاہد نے بھی ذرا چکھ لی،
کچھ اس میں ورنہ ہوا و ہوس کی بات نہیں

غمِ حیات میں کیسے کٹے گی اے کوثر!
تمام عمر ہے یک دو نفس کی بات نہیں

بورسٹل جیل لاہور
۱۹ر اپریل ۱۹۵۳ء

"روشنی" نے یہ گُل کھِلائے ہیں
ہر طرف ظلمتوں کے سائے ہیں

وُہ جو اپنے تھے اب پرائے ہیں
وقت کے ساتھ ساتھ سائے ہیں

جب کبھی آپ یاد آئے ہیں
اشک پلکوں پہ جِھلملائے ہیں

اب تو خوُد پر بھی اعتماد نہیں
ہم نے اِتنے فریب کھائے ہیں

راہزن — میرِ کارواں ٹھہرے
یہ بھی دنیا نے دن دِکھائے ہیں

اِس خطا پر ہُوئے اسیرِ خزاں
کیوں بہاروں کے گیت گائے ہیں

سنٹرل جیل لاہور
۲۰، اپریل ۵۳ء

○
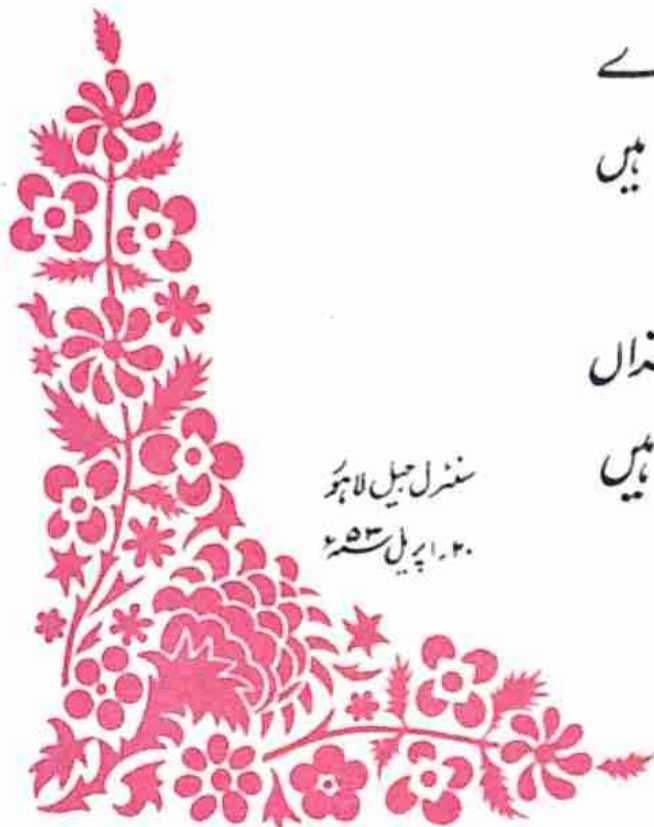
جب زیست کے مشکل لمحوں میں اپنے بھی کنارا کرتے ہیں
اُس وقت بھی ہم اے اہلِ جہاں ہنس ہنس کے گزارا کرتے ہیں

صیاد نے تیرے اسیروں کو آخر یہ کہہ کر چھوڑ دیا
یہ لوگ قفس میں رہ کر بھی گلشن کا نظارا کرتے ہیں

جذبات میں آکر مرنا تو مشکل سی کوئی مشکل ہی نہیں
اے جانِ جہاں ! ہم تیرے لیے جینا بھی گوارا کرتے ہیں

سنٹرل جیل لاہور

۲۷ر اپریل ۵۲ء

کبھی، جو نکہتِ زلفِ نگار آئی ہے
فضائے مردہ دِل میں بہار آئی ہے
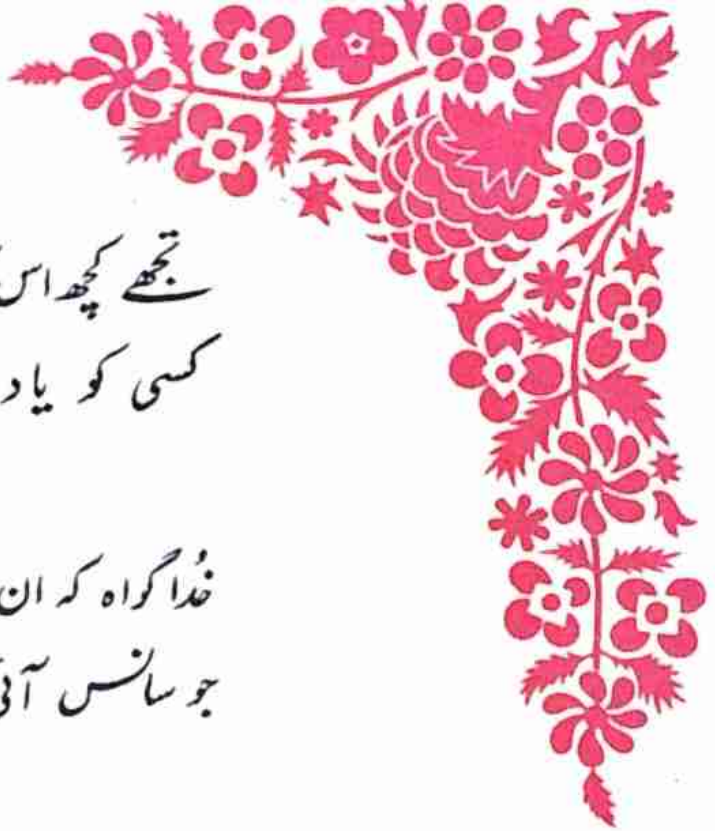
ضرور تیری گلی سے گزر ہوا ہوگا
کہ آج بادِ صبا بے قرار آئی ہے

خزاں کو بھی گِلہ پائمالیِ گُل ہے
چمن میں اب کے کچھ ایسی بہار آئی ہے

کوئی دماغ تصوّر بھی جن کا کر نہ سکے
یہ جانِ زار وُہ لمحے گزار آئی ہے

وُہ راہرو ہُوں کہ خود اُڑ کے منزلِ مقصود
مرے حضور، بشکلِ غبار آئی ہے

تجھے کچھ اس کی خبر بھی ہے بھُولنے والے
کسی کو یاد تری بار بار آئی ہے

خُدا گواہ کہ ان کے فراق میں کوثرؔ!
جو سانس آئی ہے وُہ سوگوار آئی ہے

سنٹرل جیل لاہور
۱۲ر مئی ۵۳ء

○

مریضِ غم کی جو بالیں سے جانے لگتے ہیں
تو بے بسی میں وُہ آنسو بہانے لگتے ہیں

کبھی جو اٹھتی ہیں سینے میں درد کی ٹیسیں
تو پچھلے زخم بھی سب یاد آنے لگتے ہیں
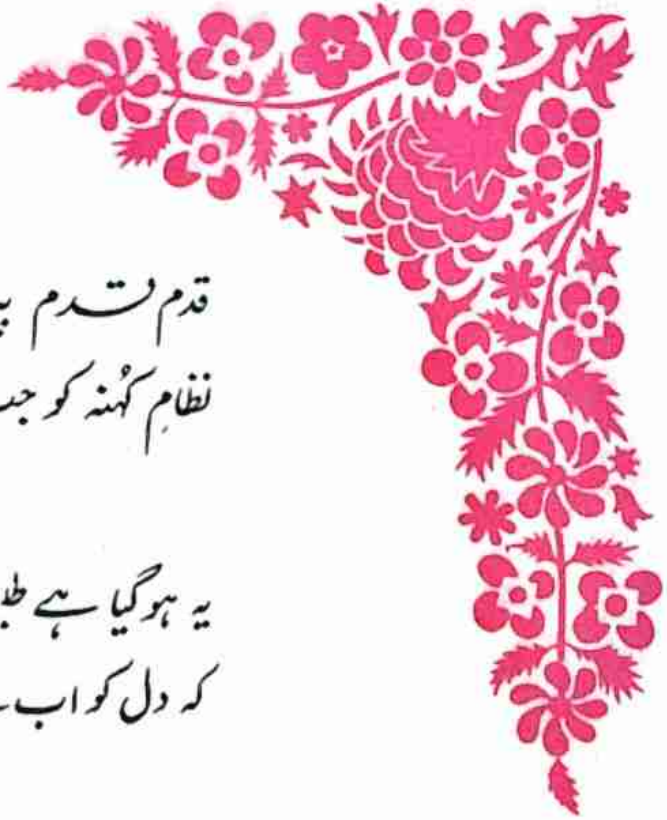
نظر فریبیٔ خوبانِ دھر پر مت جا
ہنسی ہنسی میں یہ ظالم رُلانے لگتے ہیں

جب انتہا کو پہنچتی ہے ظلمتِ زنداں
ہم ان کی یاد کی شمعیں جلانے لگتے ہیں

ہمیں زبان پہ قابو نہیں رہا کشر
جب ان کو حالِ غمِ دِل سنانے لگتے ہیں

قدم قدم پہ نئی مشکلیں ابھرتی ہیں
نظامِ کہنہ کو جب بھی مٹانے لگتے ہیں

یہ ہو گیا ہے طبیعت کا رنگ اے کوثر
کہ دل کو اب نئے غم بھی پرانے لگتے ہیں

سنٹرل جیل لاہور
۲۵ - مئی ۵۳ء

○

پل کر جواں ہُوئے جو بہاروں کی گود میں
وُہ آج محوِ خواب ہیں خاروں کی گود میں

گلشن میں بُوم و زاغ کا مسکن ہے ان دِنوں
بلبل کا آشیاں ہے شراروں کی گود میں

ساحل نہ کر تلاش مری کشتیِ حیات
طوفان پل رہے ہیں کناروں کی گود میں

گلچیں کا خوف، دام کا خطرہ، قفس کا ڈر
کیا گل کھلے ہُوئے ہیں بہاروں کی گود میں

کوثر وہ روئے تازہ ہے اشکوں کے درمیاں
یا چاند آگیا ہے ستاروں کی گود میں

سنٹرل جیل لاہور
۳۰ مئی ۵۳ء

عروسِ نو سے کوئی ہمکنار ہوتا ہے
کوئی جہاں میں اجل کا شکار ہوتا ہے

اُسی کا عکس ہے یہ اپنی زندگی شاید
نشانِ پا جو سرِ رہگذار ہوتا ہے

وہ بات قرب و حضوری میں بھی نہیں ملتی
بہت لذیذ غمِ انتظار ہوتا ہے

جو راہزن ہیں نہ کہہ اُن کو راہزن، ہمدم
کہ رہبروں کو بہت ناگوار ہوتا ہے

زباں پہ حرفِ شکایت نہ لا کہ اُلفت میں
ستم بھی ہو تو وہ احساں شمار ہوتا ہے

یہی لکھا ہے ہر اک برگِ گل پہ اے کوثر
کہ غم ہی حاصلِ فصلِ بہار ہوتا ہے

۸ جولائی ۶۳ء
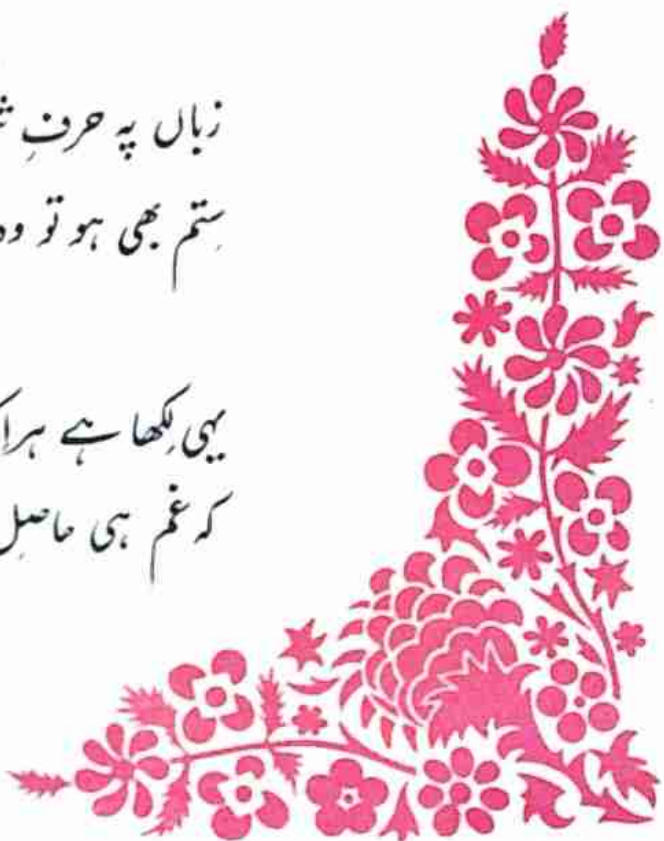
ڈھیر دِکھلا کے وُہ کہنے لگے پروانوں کا
حشر ایسا ہی ہُوا کرتا ہے دیوانوں کا

چند کلیاں ہیں مگر وُہ بھی گرانبارِ خزاں
عام نقشہ ہے یہ دُنیا کے گلستانوں کا

وحشتِ آدمِ خاکی پہ خیال آتا ہے
نام بدنام ہے کیوں مُفت میں حیوانوں کا

اک طرف نوحۂ پیہم کی صدائیں کوثرؔ
اک طرف نغمہ کھنکتے ہوئے پیمانوں کا

۲۲ جولائی [illegible]

زہرِ اجل ہے چشمۂ حیواں ترے بغیر
صبحِ وطن ہے شامِ غریباں ترے بغیر

ساکن سے ہو گئے ہیں یہ لمحاتِ زندگی
رُک سی گئی ہے گردشِ دوراں ترے بغیر

"دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو"
ہے دشمنِ سکوں سر و ساماں ترے بغیر

کیا اب حیات و موت کی قدریں بدل گئیں
کچھ لوگ زندہ ہیں غمِ جاناں ترے بغیر

تو بھی عجیب چیز ہے اے امتحانِ غم
پختہ نہ ہو سکا کوئی انساں ترے بغیر

دیکھ اس طرف بھی دولتِ بیدارِ زندگی
جینا ہے ایک خوابِ پریشاں ترے بغیر

۳۱، جولائی ۵۳ء

○

کوچۂ یار میں گدائی کی   اِک یہی کام کی، کمائی کی

ہائے وہ انتظار کے لمحے   آہ! یہ ساعتیں جُدائی کی

ہم نے حُسنِ ادا کہا اُس کو   جب کبھی تُو نے کج ادائی کی

دوستو! دیکھ بھال کر چلنا   سخت منزل ہے آشنائی کی

شیخ صاحب خُدا ہی بن بیٹھے   ہے بُری چاٹ پارسائی کی

رنگِ حسرت میں آج اے کوثر
خوب تو نے غزل سرائی کی

وہ دِل جو محبت کا گنہ گار نہیں ہے
اللہ کی رحمت کا سزاوار نہیں ہے

کچھ تیری خطا اے نگہِ یار نہیں ہے
شایانِ کرم ہی دلِ بیمار نہیں ہے

فریاد ہے اے خالقِ غم ہائے دو عالم
دنیا میں کسی کا کوئی غم خوار نہیں ہے

اب کون ہے مرنے کی نہیں جس کو تمنّا،
اب کون ہے جینے سے جو بیزار نہیں ہے

در پردہ ہے بربادئ جلّاد کا ساماں
اے دل! یہ سزائے رسن و دار نہیں ہے

واللہ کہ ہے قیصر و دارا سے فزوں تر
کردار کا جو مفلس و نادار نہیں ہے

۲۶ اگست ۳۱ء

○
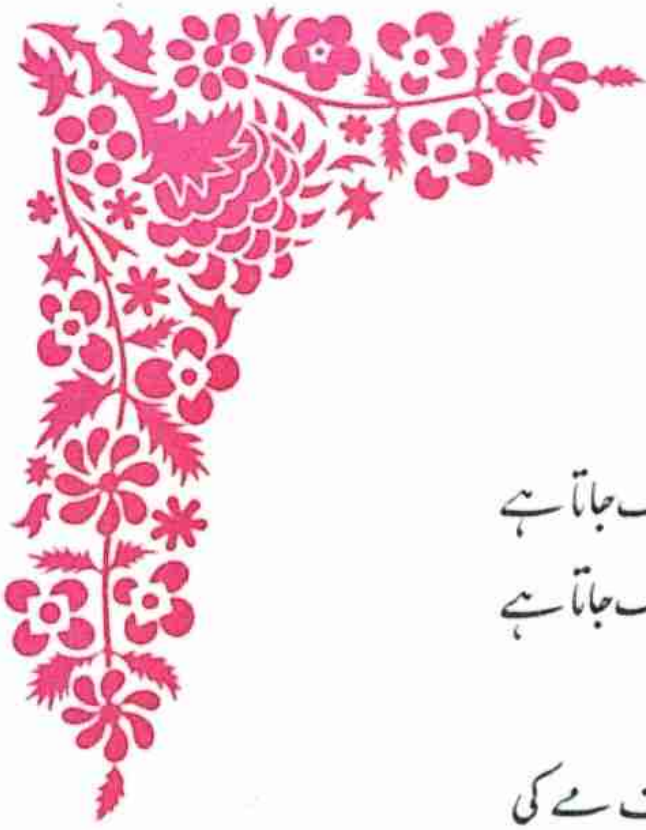
میرے گلشن میں جو اِک پھُول مہک جاتا ہے
ایک کانٹا، دلِ دشمن میں کھٹک جاتا ہے

پھر اسے جام کی حاجت نہ ضرورت مے کی
تیری نظروں سے جو اِک بار بہک جاتا ہے

تو بھی کیا خواب ہے اے محفلِ رنگینِ جہاں!
ذہنِ انساں تری تعبیر میں تھک جاتا ہے

دلِ ناشاد میں یوں آج تری یاد آئی
جیسے جگنو کوئی ظلمت میں چمک جاتا ہے

لاکھ بے رنگ ہو گو ثمرِ گلِ اُمیدِ وصال
چند گھڑیوں کے لیے دل تو مہک جاتا ہے

یکم ستمبر ۵۳ء

○

مہرباں وہ بُتِ بے پیر نہیں ہے ، نہ سہی
مجھ سے راضی مری تقدیر نہیں ہے ، نہ سہی

یہی کیا کم ہے تڑپتا ہُوا دل رکھتا ہوں
میرے ہاتھوں میں جو شمشیر نہیں ہے ، نہ سہی

دلِ بسمل کے لیے ایک نظر کافی ہے
تیرے ترکش میں اگر تیر نہیں ہے ، نہ سہی

○

حرم کے گوشۂ خلوت سے تابہ دار آئے
کہاں کہاں تجھے اہلِ جُنوں پکار آئے

عُروسِ دہر سُنا ہے کہ چند دیوانے
لہُو کے عِطر سے گیسُو تیرے سنوار آئے

حیاتِ خضر بھی اُن کے عوض نہیں منظور
وُہ چند روز جو زنداں میں ہم گزار آئے

قفس میں رہ کے بھی دل سے نہ جا سکی کوثر
یہ آرزُو کہ چمن میں کبھی بہار آئے

کربِ احساس

(نظمیں)

اے مری رفیقِ حیات!

تو سوگوار نہ ہو اے مری رفیقِ حیات!
کہ تیرے ساتھ میں یہ عید بھی منا نہ سکا
ہر ایک گوشۂ چمن کا ہے غرقِ رامش و رنگ
تجھے بہار کے نغمات میں سنا نہ سکا

تو سوگوار نہ ہو اے مری رفیقِ حیات!

مجھے بھی دکھ ہے مگر آسمان کے نیچے
دکھا تو ایک وہ اِنساں جو سوگوار نہیں
مرے وطن کے خدایانِ ذی حشم کے سوا
وہ کون ہے جو مصائب سے اشکبار نہیں
بہار آئی ہے، لیکن روش روش ہے گواہ
وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ بہار نہیں
عروس لالہ و گل کا سہاگ لُٹ جائے
کسی چمن کے نگہباں کا یہ شعار نہیں
جگر کے خون سے سینچا تھا کل جنہوں نے اسے
انہیں فضائے چمن آج سازگار نہیں
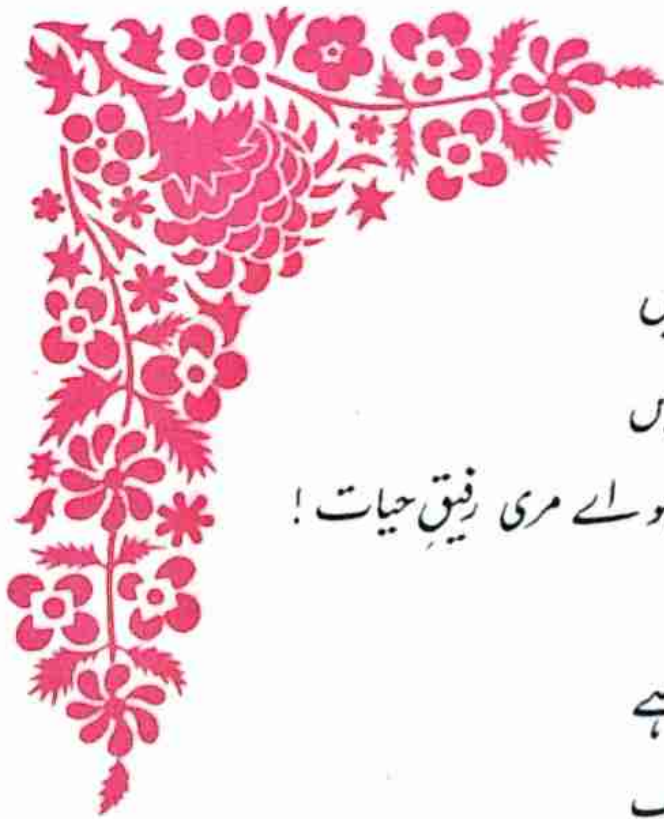
مرے وطن کو جہنم بنائے دیتے ہیں
یہ بات تیری نگاہوں پہ آشکار نہیں
تو سوگوار نہ ہو اے مری رفیقِ حیات !

یہ شیطنت ہے مزے سے جو دندناتی ہے
خُدا کا دین توجیلوں میں بند ہے اب تک
وہ جس کو پی کے ہزاروں نے جان دیدی ہے
وہ زہرِ کفرِ غضب ہے کہ قند ہے اب تک
گلوئے عدل و مروّت پہ چل رہی ہے چھُری
جفا و جور کا پرچم بلند ہے اب تک
ادائے کبر جو لے ڈوبتی ہے قوموں کو
مرے وطن میں بڑی دل پسند ہے اب تک
بزورِ عصمتِ زن کا شکار ہوتا ہے
کہ دستِ حرص میں زر کی کمند ہے اب تک
جو بُت شکن ہے اسے دار پر چڑھاتے ہیں
جو بُت فروش ہے وہُ سربلند ہے اب تک
توسوگوار نہ ہو اے مری رفیقِ حیات
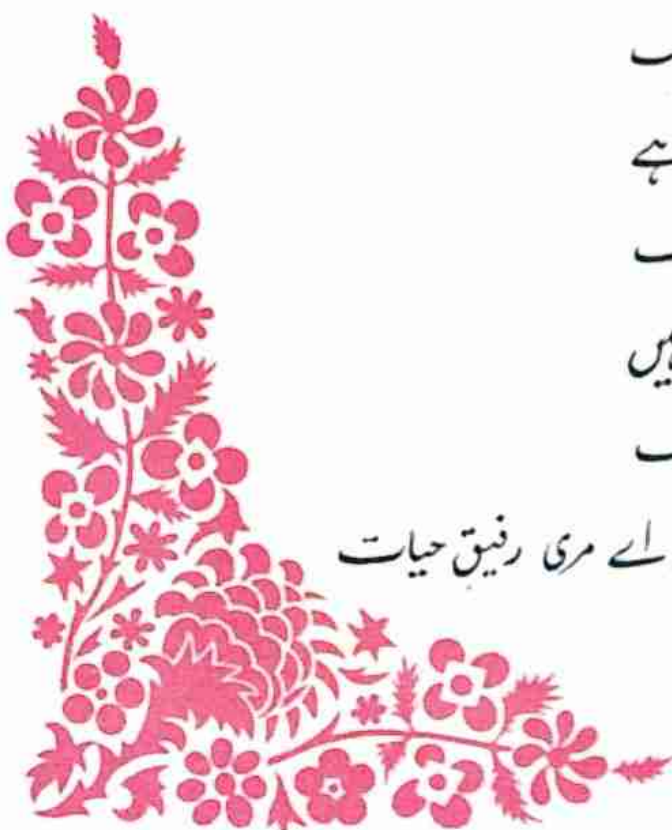
ہنسی خوشی میں ہر اک غم کی چوٹ کھاؤں گا
ترے فراق کے دکھ سہہ کے مسکراؤں گا
وفا و عشق کی قدریں نئی بناؤں گا
خدا کی راہ میں تجھ کو بھی بھول جاؤں گا
مجھے یہ ظلمتِ ماحول دُور کرنا ہے
قدم قدم پہ میں حق کے دِیے جلاؤں گا
اسی سے مِلنا ہے گر مجھ کو گوہرِ مقصود
بڑی خوشی سے میں زنداں کی دال کھاؤں گا
قفس ہی اس کی سزا ہے یہ جانتا ہوں مگر
میں بار بار بہاروں کے گیت گاؤں گا

تو سوگوار نہ ہو اے مری رفیقِ حیات !

جیل کی ایک رات

رات تاریک ہے فضا خاموش
ہر طرف ایک ہول طاری ہے
جیل کے مختصر احاطے میں
آبشارِ سکوت جاری ہے

کوئی تارا نظر نہیں آتا
ایسے ہے آسمان کی تصویر
جیسے بیوہ کی زیست کے ایام
جیسے قیدی کے خواب کی تعبیر

پتہ پتہ ہے خواب سے مدہوش
کوئی جنبش نہیں ہے شاخوں میں
لگ چکے ہیں بڑے بڑے تالے
سامنے آہنی سلاخوں میں
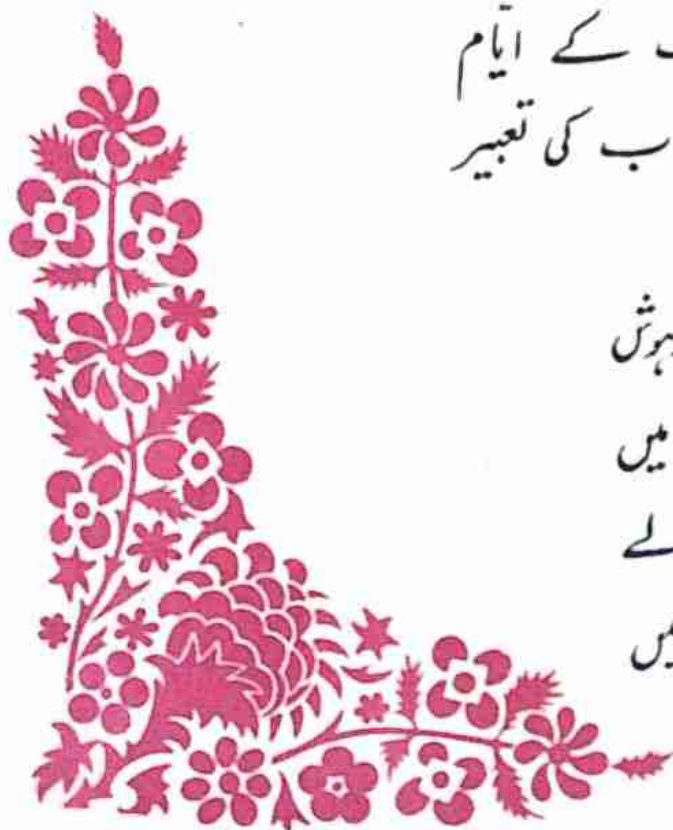
ایسے میں ایک غم کے مارے کو
اپنے بچوں کی یاد آتی ہے
بیتے ایام کے جھروکوں سے
اس کی بیوی اسے بلاتی ہے

"میری امید کی حسیں کلیاں
آتشِ غم میں کیوں جلاتے ہو
یاد آ آ کے کس لیے آخر
ایک مظلوم کو ستاتے ہو"

"اُڑ گئی نیند ، کھو گیا آرام
حال میرا ذرا قیاس کرو
تم کو اپنا نہیں خیال اگر
میرے جذبات ہی کا پاس کرو"

اور پھر کروٹیں سی لیتی ہے
ان کہی داستاں نگاہوں میں
سوچتا ہوں کہ حق کو اپناؤں
یا چلا جاؤں اس کی بانہوں میں
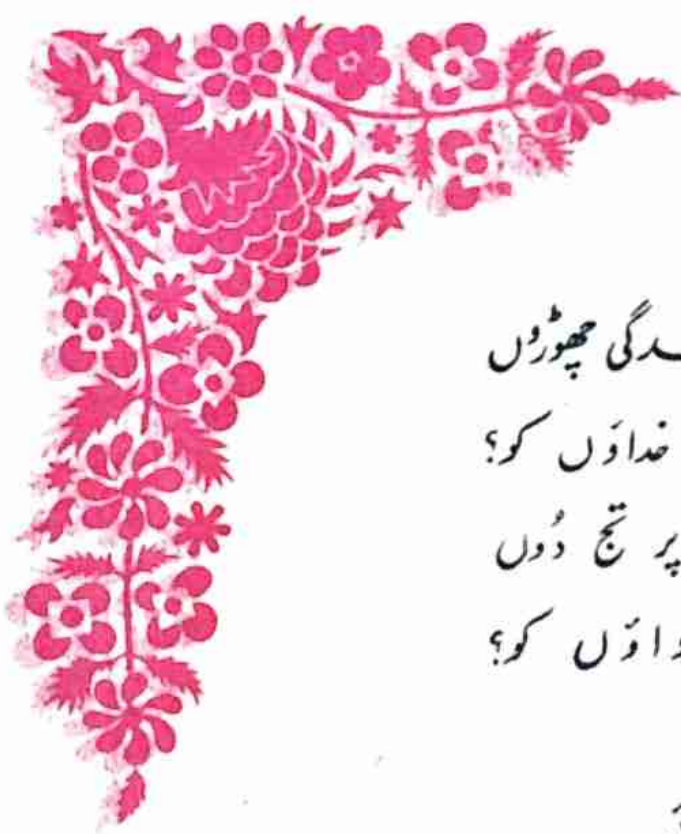
ایک آقا کی بندگی چھوڑوں
مان لُوں سینکڑوں خداؤں کو؟
یا صدائے ضمیر پر تج دُوں
حُسن کی دلرُبا اداؤں کو؟

ہمدم و ہم نشیں نہیں کوئی
اِک عجب خامشی کا عالم ہے
اِک عجب گو مگو کی کیفیت
اک عجب بے بسی کا عالم ہے

رات تاریک ہے فضا چپ چاپ
ہر طرف ایک ہول طاری ہے
جیل کے مختصر احاطے میں
"آبشارِ سکوت جاری ہے"

مقبرے

(مقبرے دیکھنے کی ایک دعوت کے جواب میں)

مقبرے دیکھنے جانا ہے، تجھے شاہوں کے
وہ کہ اس دور میں ہیں رشکِ محلاتِ جناں
جن کی گل کاری و رنگینیٔ و فن کاری سے
فن ہے تابندہ و پائندہ و بیدار و جواں

تو نے یہ حکم دیا ہے کہ ترے ساتھ چلوں
اور اک بار مقابر کی زیارت کرلوں
رُوح کو فکرِ دو عالم سے رہائی دے کر
دامنِ چشم کو جلووں کے گہر سے بھرلوں

شکریہ! دعوتِ تفریح کا، لیکن اے دوست!
ایک نادار سے انساں کو امارت سے غرض!
ایک مزدُور کو کیا جشنِ طرب سے نسبت،
کور چشموں کو کسی فن کی نزاکت سے غرض!
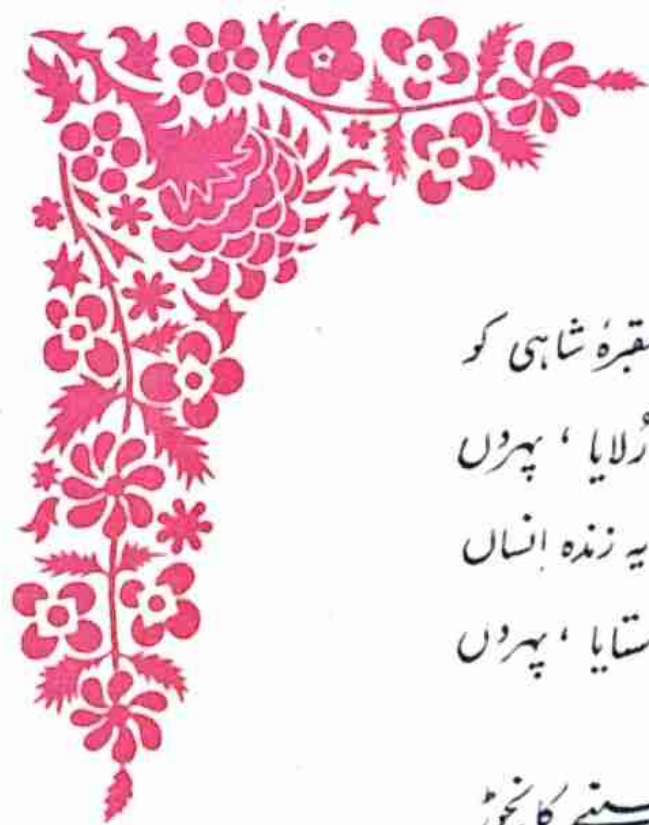
جب بھی دیکھا ہے کسی مقبرۂ شاہی کو
مجھ کو ماحول کی غربت نے رُلایا، پہروں
مردہ شاہوں کے مقابل میں یہ زندہ انساں
مجھ کو ان کے غمِ دوراں نے ستایا، پہروں

ایک ایک نقش، رعایا کے پسینے کا نچوڑ
ایک اک اینٹ، غریبوں کے لہُو سے رنگیں
ایک اک سنگ سے اٹھتا ہے دُھواں آہوں کا
آخر اِس ظلم کا احساس مجھے ہو کہ نہیں

ایسے احساس کے ہوتے ہُوئے کیسے دیکھوں
یہ غریبوں کی تمناؤں کے خوش رنگ مزار
عہدِ شاہی کے مظالم کے یہ عینی شاہد
بادشاہوں کی رعونت کے مثالی شہکار

کیسے دیکھوں میں مقابر یہ شہنشاہوں کے
جن کے ماحول میں آباد ہزاروں آہیں
کیسے دیکھوں رگِ افلاس سے بہتا ہُوا خوں
کیسے دیکھوں میں رعایا کی جنازہ گاہیں
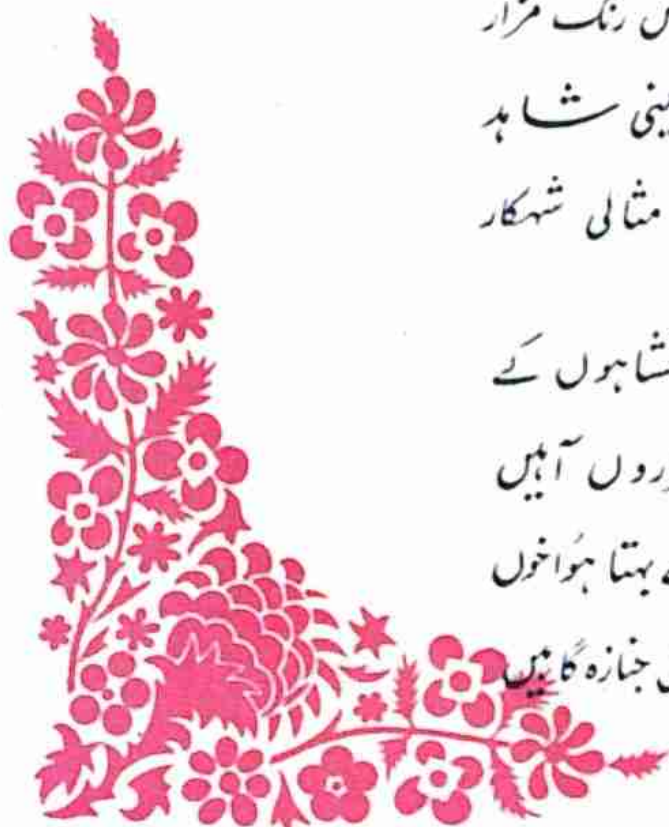
شکریہ ! دعوتِ تفریح کا لیکن اے دوست،
ایک نادار سے انساں کو امارت سے غرض!
ایک مزدور کو کیا جشنِ طرب سے نسبت ،
کور چشموں کو کسی فن کی نزاکت سے غرض!

شہر کے چوراہے

جب گزرتا ہوں کبھی شہر کے چوراہے سے
ہاں مرے دل میں قیامت کی گھٹن ہوتی ہے
میرے احساس میں رچ جاتے ہیں غم کے شعلے
میرے افکار میں کانٹوں کی چبھن ہوتی ہے

آہ! یہ مادرِ ناشاد، یہ بنتِ حوا
اپنی بچّی کو لیے ہاتھ ہے پھیلائے ہوئے
چیتھڑے رحم کی دریوزہ گری کرتے ہیں
دولتِ عفت و عصمت کو بچانے کے لیے

کوئی بھی ہاتھ نہیں اُٹھتا مدد کی خاطر
لوگ تو اپنے خیالات میں کھو جاتے ہیں
خود غرض، بندۂ زر، آہ یہ اس کے بھائی
اس کو آلام کے نشتر ہی چبھو جاتے ہیں
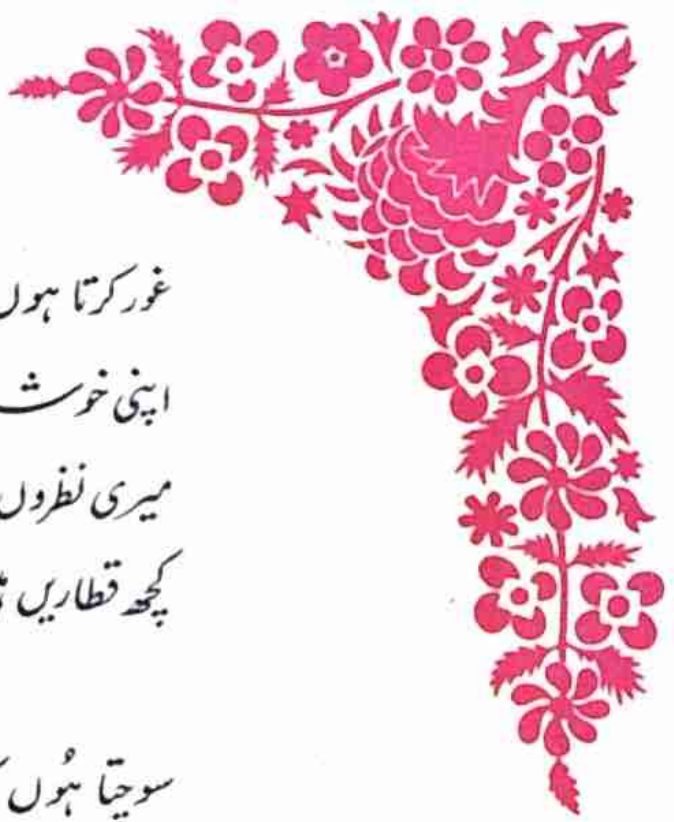
غور کرتا ہوں جو میں حالِ وطن پر ہمدم
اپنی خوشیاں مجھے افسردہ بنا جاتی ہیں
میری نظروں میں قیادت کے حسیں وعدوں کی
کچھ قطاریں ہیں جو بے ساختہ آجاتی ہیں

سوچتا ہُوں کہ یہ فریاد مجسم مائیں
میری غیرت کے تقاضوں کیلیے نشتر ہیں
میرے اِسلام کے دعوٰی یہ ہیں اک طنزِ جلی
میرے انبارِ مسرت کے لیے اخگر ہیں

اور پھر ان کے مصائب کے ازالے کیلیے
ولولے قلب میں طوفان اٹھا دیتے ہیں
عدل و انصاف کو اس دیس میں لانے کیلیے
ولولے، رُوح کو سیماب بنا دیتے ہیں

۵۵ء
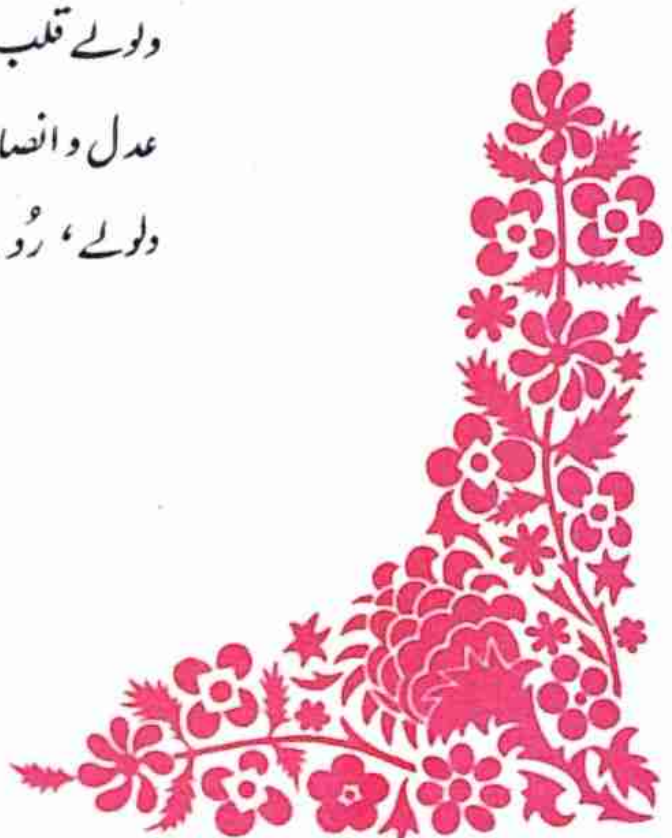
ایک رُوٹھے ہوئے دوست کے نام

یہ چمکتے ہوئے سکّے، یہ کھنکتے ہوئے جام
یہ سیاست، یہ تمدّن، یہ معیشت، یہ نظام
یہ بھڑکتے ہوئے شعلے، یہ لپکتے طوفاں
رُوحِ انساں کو کچلنے کے لیے یہ ساماں
یہ حکومت کے عمائد کی تعیّش گاہیں،
یہ رعایا کے دِل زار سے اُٹھتی آہیں
یہ مچلتے ہوئے جذبے، یہ سِسکتے ارماں
اِک کشاکش ہے کہ پیدا ہے یہاں اور وہاں

آج آبادیاں روتی ہیں کہ اِنساں نہ رہے
نکبت و یاس کے ماروں کے نگہباں نہ رہے
صنفِ نازک کی حیا دار نگاہیں نہ رہیں
اس کے خورشید میں عصمت کی شعاعیں نہ رہیں
درگاہوں میں غلاظت کے سوا کچھ بھی نہیں
خانقاہوں میں تجارت کے سوا کچھ بھی نہیں

یہ عدالت کے فلک بوس چمکتے ایواں
مدفنِ عدل، حکومت کی رضا کے ساماں
یہ سیاست کہ شرافت پہ ہے "کیچڑ بازی"
جس میں ہر بندۂ مکار ہے مردِ غازی
یہ تعقّل کی فضاؤں میں جہالت کا گزر
اُف! یہ تہذیب کی دنیا میں رذالت کا گزر
یہ امیروں کے مقابر — کہ رہینِ ساماں
یہ غریبوں کے مساکن کہ غریقِ حرماں
آدمیت پہ قیامت کی گھڑی آئی ہے
آج دُنیا پہ تباہی کی گھٹا چھائی ہے

ڈر رہا ہوں میرے بھائی! یہ زمانہ ہے سیاہ
تیری معصوم جوانی نہ ہو برباد و تباہ
تجھ کو تہذیب کے یہ کِرم نہ کھا جائیں کہیں
ہڈیاں تیری یہ اژدر نہ چبا جائیں کہیں
قالبِ زر میں تری رُوح نہ ڈھل جائے کہیں
تیرا ایمان نہ سڑ جائے نہ گل جائے کہیں
آکے دے اِس دلِ مضطر کو تسلی اے دوست!
آج تو چھوڑ یہ کِبرؔ اور تعلّی اے دوست!

اِن اداؤں پہ گناہوں کی ہواؤں پہ نہ جا
ان میں دوزخ ہیں تو خوش رنگ فضاؤں پہ نہ جا
چند روزہ ہیں یہ ، آرام کے جھُولوں پہ نہ جا
ان میں کانٹے ہیں تو سرمائے کے پھُولوں پہ نہ جا
تیرے آنے کے لیے چشم براہ بیٹھا ہوں
مان بھی جا کہ میں با حالِ تبہ بیٹھا ہوں
تیری گردن کی تمنا میں ہیں باہیں اے دوست!
جلد آجا ، کہ تڑپتی ہیں نگاہیں اے دوست!
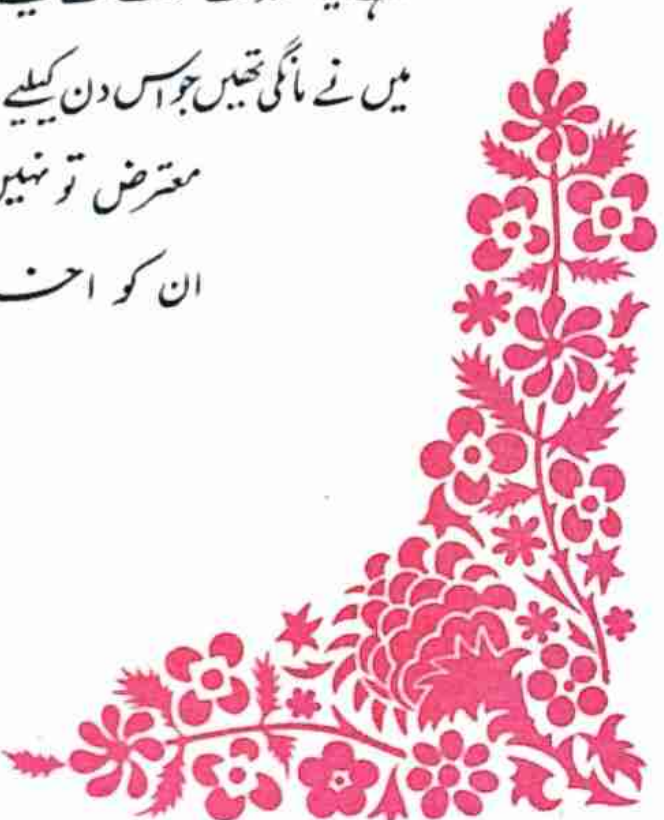
نذر

(ایک عزیز کی شادی پر)

لعل و زر، سیم و گہر نذر کروں — بحر و بر، شمس و قمر نذر کروں
جو مسرت سے ڈھلک آئے ہیں — کیا وہ اشکوں کے گہر نذر کروں
"غمِ دنیا" کے اندھیروں میں انہیں — "غمِ جاناں" کی سحر نذر کروں
ہے یہ اللہ کے رستے کے لیے — ورنہ سوچا تھا کہ سر نذر کروں
میں نے مانگی تھیں جو اس دن کیلیے — ان دعاؤں کا اثر نذر کروں

معترض تو نہیں ہوں گے کوثر
ان کو اخلاص اگر نذر کروں

پردۂ مستقبل میں

(نیا آئین بننے پر)

اب نئے رنگ سے گلشن میں بہار آئے گی
دستِ صیاد سے شمشیرِ جفا چھوٹی ہے
لاکھ شب رنگ فضاؤں کی عملداری ہو
نور کی ایک تو ہلکی سی کرن پھوٹی ہے

جامِ جم تو نہیں کہہ سکتے، مگر جامِ سفال
وجۂ آسودگیٔ بادہ گساراں تو بنا
سُن رہا ہوں کہ یہ اربابِ چمن کہتے ہیں
جس کی حسرت تھی وہ آئینِ بہاراں تو بنا

وہی پہچانتا ہے قدرِ نسیمِ سحری
جس کسی نے ستمِ بادِ خزاں دیکھے ہیں
کارواں خوش ہے کہ طے کرکے مُسافت اتنی
آخرش منزلِ مقصد کے نشاں دیکھے ہیں
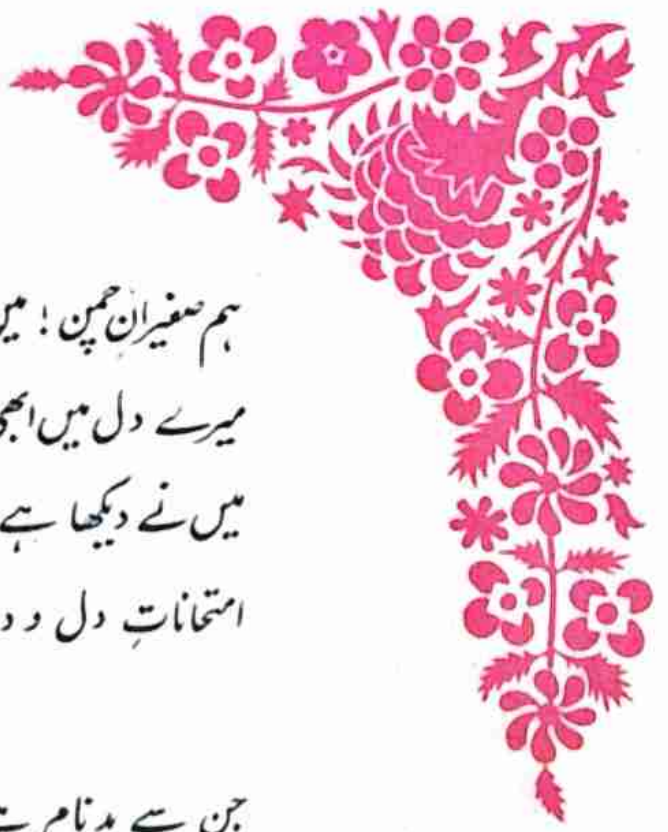
ہم صفیرانِ چمن! میں بھی ہوں شاداں لیکن
میرے دل میں ابھی جذبات جواں اور بھی ہیں
میں نے دیکھا ہے ابھی پردۂ مستقبل میں
امتحاناتِ دل و دیدۂ و جاں اور بھی ہیں

جن سے بدنام ہے یہ وسعتِ گلشن ساری
قالبِ نو میں وہ کردار بھی ڈھلنا ہوں گے
صرف تبدیلیٔ آئین نہیں ہے کافی
ابھی مزدور کے حالات بدلنا ہوں گے

نظر بند

دربارِ محمدؐ ہے مرے واسطے کافی
ہونے دو درِ غیر اگر بند ہُوا ہے

جس روز سے ہے دل میں رہائی کی تمنّا
اُس روز سے سجدوں پہ اثر بند ہُوا ہے

یہ کہہ کے مجھے حشر میں فردوس کو بھیجا
کوثر مرے رستے میں "نظر بند" ہُوا ہے

رضائے حبیبؐ
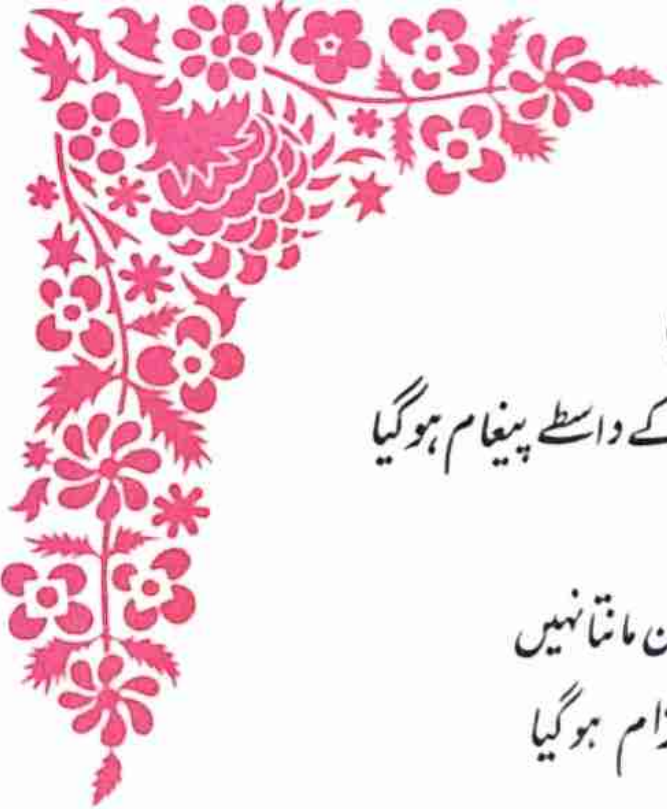
اللہ کا خاص فضل اور اِنعام ہوگیا
پھر سے بُلند پرچمِ اِسلام ہوگیا

زخموں پہ کس کی یاد نے مرہم سا رکھ دیا
یہ کِس کا نام دافعِ آلام ہوگیا

کہہ دو ہمیں کسی کی ضرورت نہیں رہی
دیں کا رسُولِ پاکؐ پہ اِتمام ہوگیا

ناکامیوں میں عکسِ رضائے حبیبؐ تھا
اب چاہے کام ہو یا نہ ہو کام ہوگیا

جب سے کسی کے وعدۂ فردا پہ ہے نظر
دُنیا کا عیش زہر بھرا جام ہوگیا

جس شخص نے حیات کا مفہوم پا لیا
ہر سانس اس کے واسطے پیغام ہو گیا

کیوں دِن کو رات، رات کو دِن مانتا نہیں
میں اس بنا پہ موردِ الزام ہو گیا

نویدِ بخشش

اپنے دامن میں لیے رحمتِ یزداں آیا
اہلِ ایماں کو بشارت ہو کہ رمضاں آیا

کیوں نہ محبوب ہو یہ ماہِ مُبارک ہم کو
اس میں دُنیا کے لیے تحفۂ قرآں آیا

یہ مہینہ ہے گنہگار کو بخشش کی نوید
غم کے ماروں کے لیے عید کا ساماں آیا

ہم پہ لازم ہے دل و جاں سے کریں اِستقبال
شکر صد شکر کہ پھر حق کا یہ مہماں آیا

حشر میں ساقیٔ کوثر کی سواری پہنچی
ہر طرف شور اُٹھا شافعِ عصیاں آیا

اے ساقی!

فضا میں گونجتا ہے نعرۂ تکبیر اے ساقی

بجائے جام، لے اب ہاتھ میں شمشیر اے ساقی!

سُوئے مقتل چلے ہیں آج شاید تیرے دیوانے

سُنائی دے رہا ہے نغمۂ زنجیر اے ساقی!

غضب ہے، تیرے مستوں کا جنوں رہنِ تعقّل ہے

تعجّب ہے کہ خود صیّاد ہے نخچیر اے ساقی!

عبث ڈھونڈا اسے افشردۂ انگور ہیں مَیں نے

وہ جوہر جو بنا دے خاک کو اکسیر اے ساقی!

نشانِ زخم بھی مِلتا نہیں، ٹیسیں بھی اُٹھتی ہیں

ترازو ہو گیا دل میں یہ کیسا تیر اے ساقی!

یہ حالت ایک دن رندانِ خستہ حال بدلیں گے

فضائے میکدہ سے ہو نہ تو دلگیر اے ساقی!

طرب انگیز نغموں سے مداوا اس کا کیا ہوگا

فضا میں بس گیا ہے شورِ دار و گیر اے ساقی!

جسے لاکھوں مئے رنگیں کے ساغر پا نہیں سکتے
شرابِ تشنہ کامی میں ہے وہ تاثیر اے ساقی!

یہ مے خانہ ہے اس میں ایک اک میکش کا حصّہ ہے
اسے سمجھا ہے کیوں پیرِ مُغاں جاگیر اے ساقی!

یزیدِ وقت بھی ہے عرصۂ کرب و بلا بھی ہے
نظر آتا نہیں لیکن کوئی شبیرؓ اے ساقی

صدائے جرس

(غزلیات)
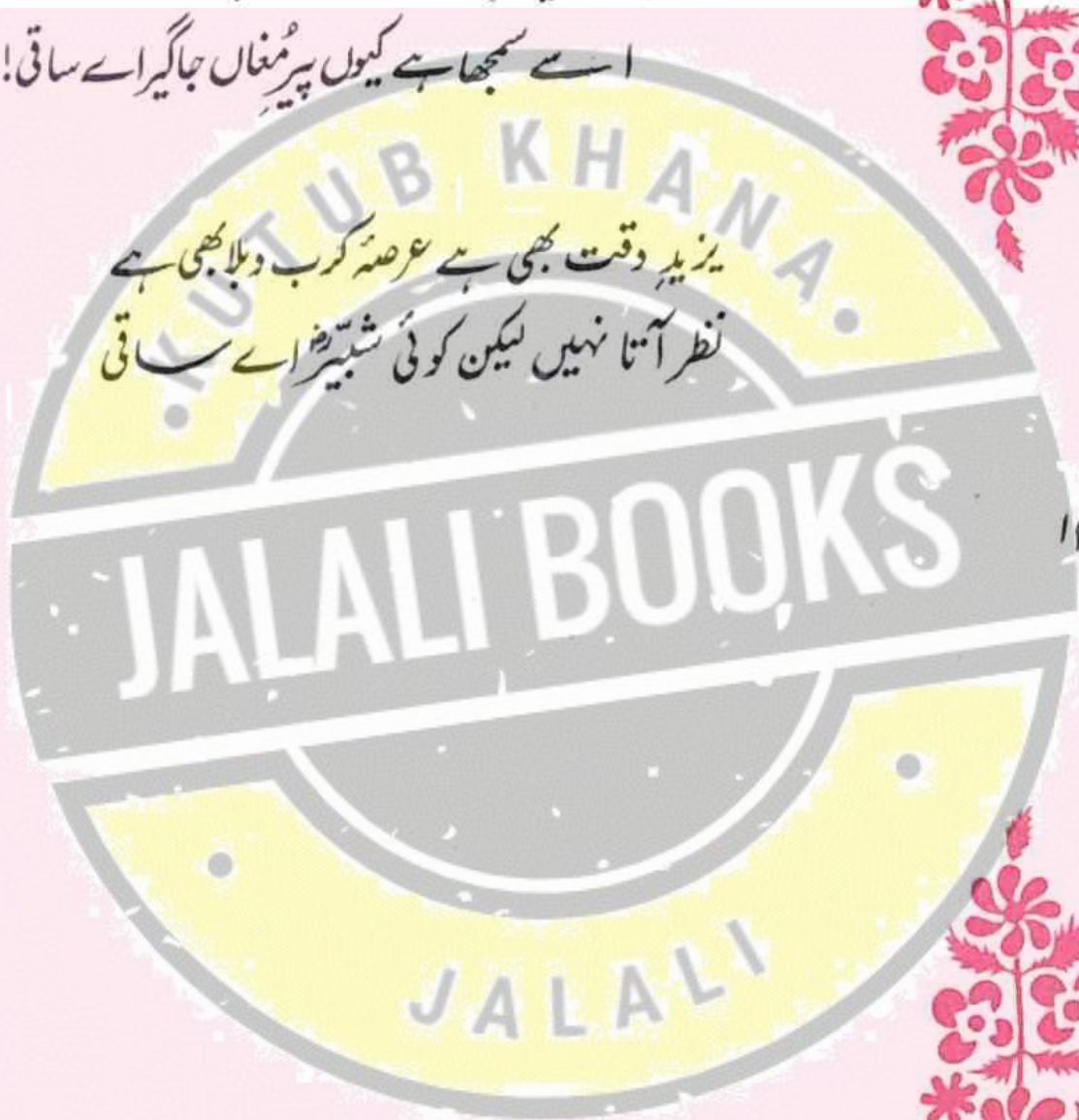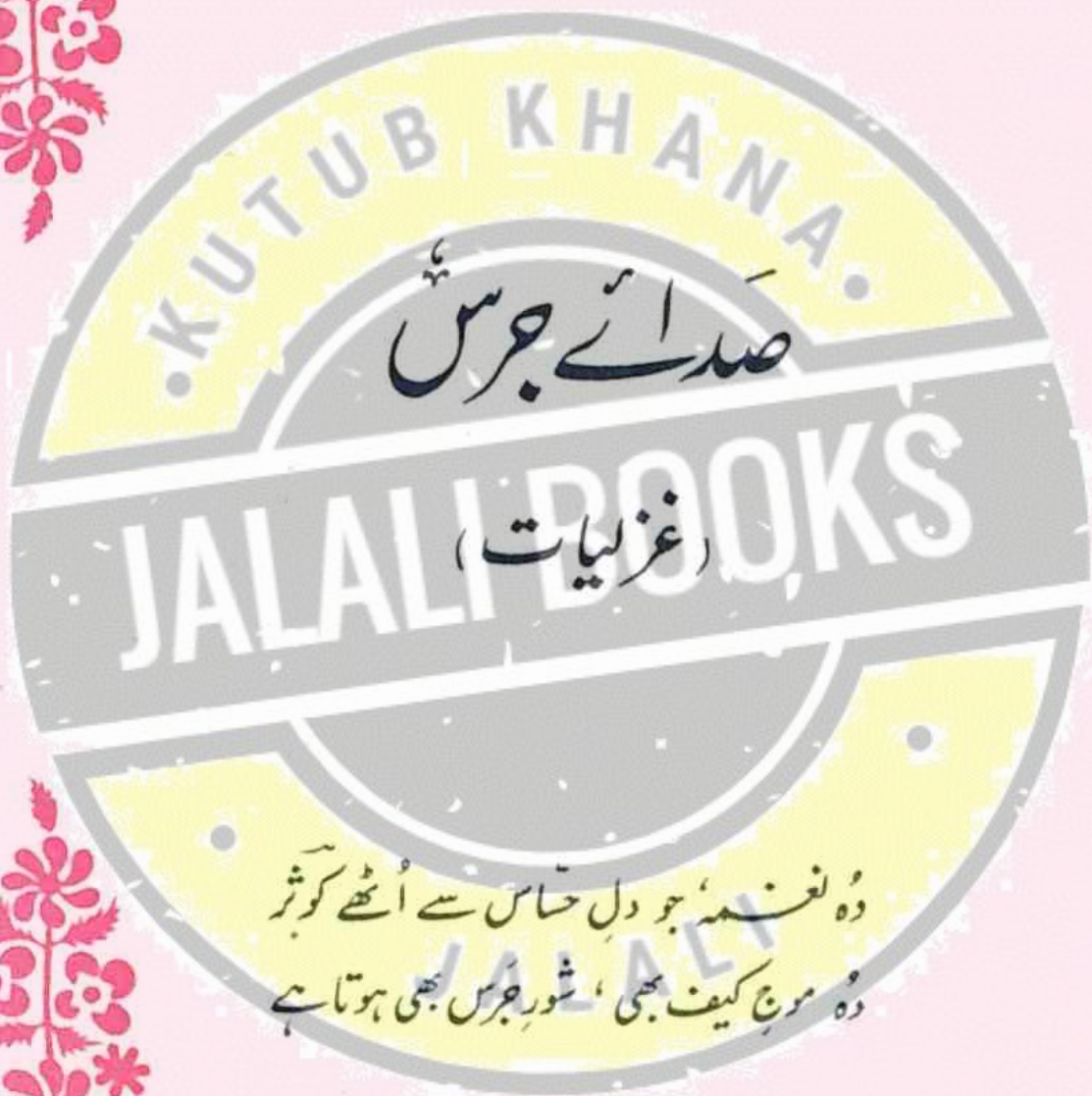
وہ نغمہ، جو دلِ حساس سے اُٹھے کوثرؔ
وہ موجِ کیف بھی، شورِ جرس بھی ہوتا ہے

○
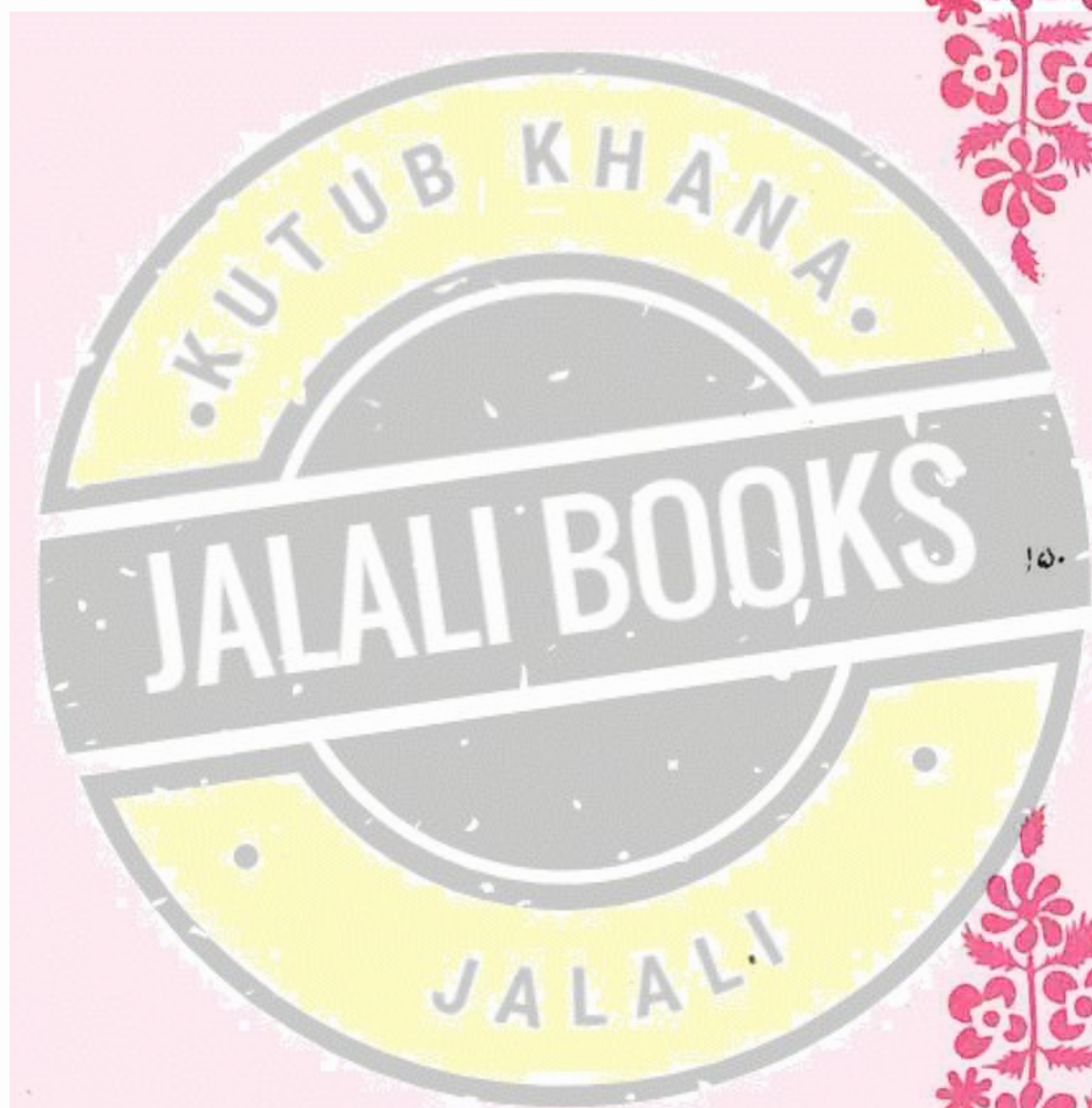
بخشواتا مجھے کون آپ کی رحمت کے سوا
میں کہ کچھ تھا ہی نہیں اشکِ ندامت کے سوا

حسنِ آغازِ مسرت پہ جو مرتے ہیں انھیں
کچھ ملا بھی غمِ انجامِ مسرت کے سوا

شکوہ ہائے ستمِ یار ہوئے نذرِ کرم
یاد کچھ بھی نہیں اب ان کی عنایت کے سوا

آپ کے شوقِ عبادت میں جنابِ زاہد
اور سب کچھ ہے بس اخلاص کی دولت کے سوا

ہاں، ذرا دیکھ کے، اے جرأتِ اظہارِ خیال
قابلِ عفو ہے ہر جرم، صداقت کے سوا

اور موضوعِ سخن بھی تو ہیں اے فنکارو!
زلف و رخسار کی پامال حکایت کے سوا

دل ناشاد کہ ہے آہِ مجسّم، کوثر
کر بھی کیا سکتا ہے "خاموش" شکایت کے سوا
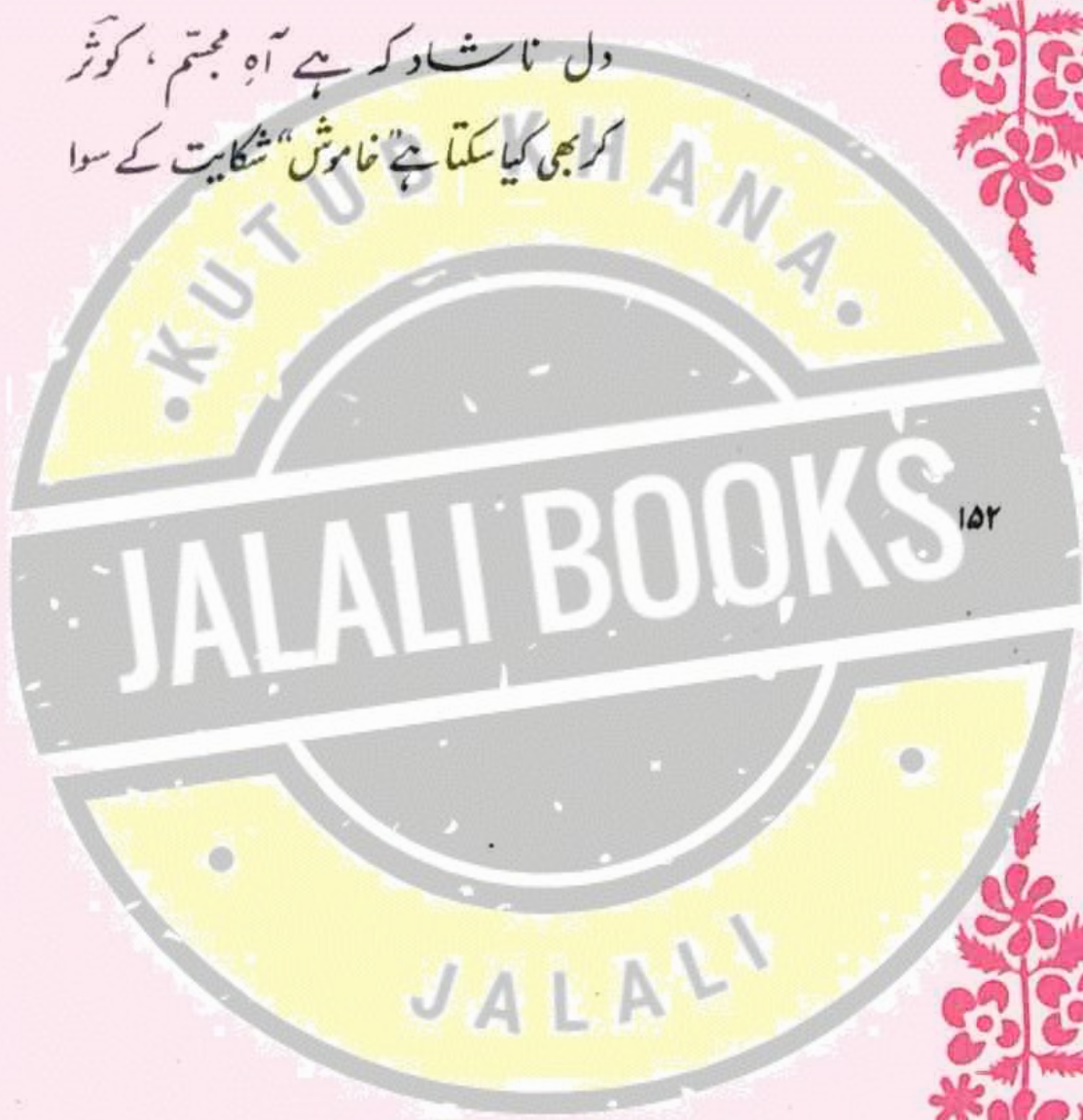
ملے تو اوک سے بھی شغلِ بادہ رکھتے ہیں
ترے فقیر وہ اطوارِ سادہ رکھتے ہیں

یہ ذوق و شوق یہ وارفتگی ہر ایک کو ہے
کہ ہم ہی اُن سے محبت زیادہ رکھتے ہیں!

اُدھر سے ان کا اشارہ بھی ہے پئے الفت
اِدھر سے ہم بھی کچھ ایسا ارادہ رکھتے ہیں

خدا ہی ہے جو پہنچ پائیں اپنی منزل تک
یہ راہرو کہ جو رہبر نہ جادہ رکھتے ہیں

ہزار چوٹ لگے، لاکھ طنز ہو کوثرؔ
جو اہلِ عشق ہیں وہ دل کشادہ رکھتے ہیں

نہ مال و زر کی نہ سیم و گہر کی بات کرو
عروجِ ذہن و فروغِ نظر کی بات کرو

جمودِ شوق و سکونِ حضر، معاذ اللہ
قدم بڑھاؤ رفیقو! سفر کی بات کرو

غرورِ اہلِ امارت کے تذکرے تا چند!
سرورِ نکہتِ اہلِ نظر کی بات کرو

شکایتِ شبِ یلدا کہاں تک اے کوثر
جمالِ مہر و طلوعِ سحر کی بات کرو

○

دَورِ حاضر میں کہیں مِصر کا بازار نہیں
حُسنِ یوسُف کا بھی اب کوئی خریدار نہیں

عشق خود دار نہیں ، حُسن طرح دار نہیں
اب زمانے میں کہیں زیست کے آثار نہیں

جس کُتنک ظرف میں بیباکیٔ کردار نہیں
اُس کا مرکز ، سرِ منبر ہے ، سرِ دار نہیں

سر جُھکائے ، درِ محبُوب پہ یوں بیٹھا ہوں
جیسے اپنے سے بھی اب مجھ کو سروکار نہیں

اللہ اللہ محبت میں یقیں کا عالم
دل کو اصرار ہے دراصل یہ انکار نہیں

O

دوائے سیم و گہر ہے علاجِ دردِ جگر
یہ اک جنونِ جہالت ہے اک فریبِ نظر

یہ کیا مرض ہے، بتاؤ تو اے خرد مندو!
نہ مجھ کو دِل کی خبر ہے، نہ دل کو میری خبر

جہاں ضمیر ترازوئے زر میں تُلتے ہیں
چلے ہیں لے کے اُدھر ہم متاعِ علم و ہُنر

نہیں ہے کوئی بھی حاجت ترے فقیروں کو
بس اک نگاہِ تلطف، بس اِک کرم کی نظر

بڑے لذیذ ہیں اے دل! منافعِ دُنیا
اٹھا سکے گا مگر تو خسارۂ محشر!

برائے تاجِ یزید، آب و رنگِ قوسِ قزح
برائے گردنِ شبیرؓ، بُرّشِ خنجر

حضورِ یار نگاہیں بھی ساتھ دے نہ سکیں
جہاں میں کوئی بھروسہ کرے تو اب کس پر!

نہ جامِ جم، نہ سپاہ و عَلَم نہ چتر و کلاہ
بس ایک ساغرِ سرشار، ساقیٔ کوثرؐ!

غلامِ نفس بھی ہیں ، بندۂ صنم بھی ہیں
اور اس کے ساتھ وہ پروانۂ حرم بھی ہیں

ہزار بچ کے چلیں ، پھر بھی ٹھوکریں کھائیں
رہِ حیات میں کچھ ایسے پیچ و خم بھی ہیں

نظامِ کہنہ کی قدروں کا خاتمہ سمجھو
ہمارے ہاتھ میں نیزے بھی ہیں قلم بھی ہیں

نگاہِ یار ! تری دو رُخی کا کیا کہنا !
عتاب و قہر کے ہمراہ کچھ کرم بھی ہیں

حضورِ یار میں کس مُنہ سے جاؤں گا گوہر
کہ اس کے غم کے سوا دل میں اور غم بھی ہیں

○

یہ درد سراپا راحت ہے، اس درد میں راحت کچھ بھی نہیں
اے دوست! محبت سب کچھ ہے، اے دوست محبت کچھ بھی نہیں

اِس دور کی حالت کیا کہیے، اس دور کی حالت کچھ بھی نہیں
اعزازِ ریا و کذب تو ہے، انعامِ صداقت کچھ بھی نہیں

اب موت و حیات کی سرحد پر بیمارِ محبت آپہنچا،
تم اپنی نوازش رہنے دو! اب اس کی ضرورت کچھ بھی نہیں

اے دوست! سزائے دار و رسن ملنی ہے تو مل جائے لیکن
جو جرم تری چاہت کا ہوا، اب اس پہ ندامت کچھ بھی نہیں

بازارِ جہاں میں جنسِ ریا بکتی ہے بنامِ صدق و صفا
اِس مکر کی دنیا میں کوثر اخلاص کی قیمت کچھ بھی نہیں

○

روشنی کا کسی عنوان بھی ساماں نہ ہُوا
اِک ستارہ بھی شبِ ہجر فروزاں نہ ہُوا

آہ! وہ آنکھ جو روئی نہ ترے غم میں لہُو
ہائے وہ دل جو غبارِ رہِ جاناں نہ ہُوا

دلِ ہر غنچہ سے اب تک ہے تراوشِ خوں کی
"رقصِ ابلیس" ہُوا، جشنِ بہاراں نہ ہُوا

مستقل غم ہی یہاں ہے نہ مسرت کو ثبات
کون اس دہر میں گریاں و غزل خواں نہ ہُوا

عُمر گزری ہے اسے راہ پہ لاتے کوثرؔ
دِل ہے کمبخت وُہ کافر کہ مُسلماں نہ ہُوا

O

رہبروں کی فریب کاری نے
رہزنی کو بہار بخشی ہے

کاش اس پر نثار ہو جاتی
اس نے جو جانِ زار بخشی ہے

عشق نے قلبِ زار کو آخر
لذّتِ سوگوار بخشی ہے

قائدینِ کرام کے وعدے

مکڑیوں کے حسین جالے ہیں

حق پرستو! یہی ہے آزادی؟
لب پہ مہریں، زباں پہ تالے ہیں

بڑھ گئے ہیں کچھ اور بھی سائے
اُف! یہ کس رنگ کے اُجالے ہیں

آدمیت کے پاس اے کوثر
چند آہیں ہیں، چند نالے ہیں

○

تری نظر جو اٹھی زلفِ کیف سلجھانے
برس پڑے سرِ محفل ہزار میخانے

طہور و حور کی اس کو فقط تمنّا ہے
فقیہِ شہر، عبادت کی رُوح کیا جانے

عجب نہیں کہ بالآخر قبول ہو جائیں
ترے حضور مرے آنسوؤں کے نذرانے

نہ مدرسہ میں تفقّہ نہ خانقاہ میں سوز
حذر کہ صُوفی و مُلّا ہیں دیں سے بیگانے

کبھی جو سُوئے حرم دیکھنے نہیں دیتے
کسی کی آنکھ کے ڈوروں میں ہیں وہ بُت خانے

کشاکشِ خس و دریا ہے دیدنی کوثر
الجھ رہے ہیں زمانے سے چند دیوانے

اہلِ جنوں سے راہ گزاروں کی آبرو
ایسی ہے جیسے پھول سے، خاروں کی آبرو

پنپی ہے وہ زمین، نہ پنپے گی تا بحشر
جس میں ہے آسماں کے سہاروں کی آبرو

دل کا دیا بجھا تو ستارے بھی بجھ گئے
حسن نگاہ سے ہے نظاروں کی آبرو

اے تابدار آنسوؤ! کچھ تو کرو خیال
مٹی میں مل رہی ہے ستاروں کی آبرو

اہلِ کمال ہوں کہ خدایانِ روزگار
بھاری ہے سب پہ درد کے ماروں کی آبرو

دل میں رہے ذرا بھی نہ درماں کا اشتیاق
بس اس قدر ہے درد کے ماروں کی آبرو

طوفاں کی موج موج ہے ساحل لیے ہوئے
اب غرق ہوگئی ہے کناروں کی آبرو

کوثر خزاں کا ہے وہ تسلط زمین پر
خطرے میں پڑ گئی ہے بہاروں کی آبرو

○

بیانِ بادۂ گلفام و ذکرِ وصلِ حبیب
مرے وطن کے سخنور کا بس یہی ہے نصیب

فقیہِ شہر تقدس فروخت کرتا ہے
قلم کی عفت و عصمت کو بیچتے ہیں ادیب

مریض کس پہ بھروسہ کرے کہاں جائے
مرض کو خود ہی بڑھانے کی فکر میں ہے طبیب

یہ اہلِ صومعہ جس کو سمجھ نہیں سکتے
مری زبان پہ کوثر ہے اب وہ حرفِ غریب

اے دوست! جذبِ عشق کی منزل ابھی کہاں
چبھتی ہے قلب میں ابھی دار و رسن کی بات

اس کے سبب سے شوکتِ شاہی فزوں ہوئی
اللہ رے فلاکتِ اہلِ وطن کی بات

امن و اماں بھی جنگ کی حالت کا نام ہے
کانٹوں کی بات بھی ہے گل و یاسمن کی بات

چنگ و رباب و شیشہ و ساغر میں کھو گئی
کوثرؔ ہماری قوتِ خیبر شکن کی بات

کچھ غمِ جاناں، کچھ غمِ دوراں — جیتے جی ہی مر گیا انساں

اللہ اللہ رنگِ دوراں — صدق کے ساحل، کذب کے طوفاں

سارا گلشن وقفِ خزاں ہے — دیکھ لیا یہ جشنِ بہاراں

آخر تجھ تک یہ دیوانے — آ ہی پہنچے افتاں خیزاں

مہرِ درخشاں، ذرۂ فانی — ذرۂ فانی، مہرِ درخشاں

سب سے ادنیٰ، سب سے اعلیٰ — آپ کی مرضی، آپ کا فرماں

زیست کے عقدے، زیست کی گرہیں — مشکل مشکل، آساں آساں

دل ہے مسلماں، تیرا نہ میرا — تو بھی مسلماں، میں بھی مسلماں

صبحِ امیداں بھی ہے گریزاں

اُجلی اُجلی شامِ غریباں

○

عیش و عشرت کے تقاضوں سے گریزاں رہنا
رسمِ عشاق ہے وقفِ غمِ جاناں رہنا

چند دن اور اگر حالِ زمانہ ہے یہی
سخت دشوار ہے انسان کا اِنساں رہنا

کچھ تو ملحوظ رہے خطرۂ بدنامیٔ حسن
شیوۂ عشق نہیں چاک گریباں رہنا

غم میں غمگیں، نہ شادی پہ ہو شاداں کوثر
زندگی ہے کبھی خنداں، کبھی گریاں رہنا

جس خیاباں پہ تھا جنّت کا گماں اے ساقی!
خاک اُڑتی ہوئی دیکھی ہے وہاں اے ساقی!

ہر عمل روحِ حیاتِ ابدی سے خالی
ہر نفس، محوِ حیاتِ گزراں اے ساقی!

گلشنِ دہر کی مسموم بہاریں توبہ!
دلِ ہر غنچہ سے اٹھتا ہے دھواں اے ساقی!

کیا میں گردِ رہِ منزل سے لپٹ کر روؤں
لوگ تو جانبِ منزل ہیں رواں اے ساقی!

آج اشرار میں ممتاز نظر آتے ہیں
وہ جو تھے قبلۂ اشرافِ جہاں اے ساقی!

آج بھی اُن کے مظالم میں وُہی قوت ہے،
آج بھی میرے عزائم ہیں جواں اے ساقی!

دیکھیے کون ہو جو عدل کو قائم کردے
چشمِ مظلوم ہے اب تک نگراں اے ساقی!

تیرے آسودۂ ادبار گداؤں کے حضور
دنگ ہے نازِ سلاطینِ جہاں اے ساقی

جور و ستم جذبات سے ناواقف ہیں
وہ مرے سود کو کہتے ہیں زیاں اے ساقی

ذکر بھی جن کا طبیعت کو ہلا دیتا تھا
وہ مصائب بھی ہیں اب راحتِ جاں اے ساقی

قلبِ شاعر میں ہو اخلاص تو پیدا ہو جائے
شعر میں جوہرِ شمشیر و سناں اے ساقی

○

ہر وہ لمحہ ہے مرا کفر میں شامل اے دوست
جس میں یہ دل ہو تری یاد سے غافل اے دوست

آدمی ہمتِ بیدار اگر رکھتا ہے
کوئی مشکل بھی نہیں دہر میں مشکل اے دوست

بڑھ گئی اور بھی مجبوریِ قلبِ مضطر
خوب ہے تیری توجہ کا یہ حاصل اے دوست

کارواں دُور، قدم سست، مراحل پُرپیچ
کیسے پہنچوں گا میں اب برسرِ منزل اے دوست

یہ کبھی جلوہ گہِ ناز ہُوا کرتا تھا!
دل کہ ہے آج اِک اُجڑی ہوئی محفل اے دوست

یہ تری ذرّہ نوازی ہے کہ برباد کیا
ورنہ کب تھا میں ترے لطف کے قابل اے دوست

کیا غضب ہے کہ مسیحا بھی بنے پھرتے ہیں
جن سے بڑھ کر نہیں اس دور میں قاتل اے دوست

عشق میں پار اُترنے کی اُمیدیں باطل!
یہ وہ دریا ہے کہ جس کا نہیں ساحل اے دوست

○

قرارِ عشق کو اِک لحظہ بھی نصیب نہیں
قدم بڑھاؤ کہ منزل ابھی قریب نہیں

ہزار طرح کے آزار ہیں، مگر دنیا
وہ سخت جاں ہے جسے موت بھی نصیب نہیں

بنامِ دَورِ ترقی بفیضِ آزادی
کوئی بھی بات مرے دیس میں عجیب نہیں

جمالِ دوست کے پیدا ہوں چاہنے والے
کہ میرے عشق میں کچھ خطرۂ رقیب نہیں

وُہ کم سواد، مسرت کے راز کیا جانے
جسے گدازِ غمِ دیگراں نصیب نہیں

یہ شاعری بتقاضائے فرض ہے کوثر
دگرنہ میں کوئی شاعر نہیں، ادیب نہیں

دُنیا مرے حالات بگاڑے کہ بنائے
اے دوست اگر تجھ پہ کوئی حرف نہ آئے

اب تُو ہی بتا جائے تو کس سمت وہ جائے
اس در کے سوا جس کو کہیں چین نہ آئے

پھیلائے ہُوئے دام ہیں ہر سمت شکاری
بُلبُل سے یہ کہہ دو ابھی گُلشن میں نہ آئے

کوثر در و دیوار سے کرتا ہوں میں باتیں
ڈستے ہیں مجھے جب بھی شبِ ہجر کے سائے

○

بات قسمت کی تو کچھ اے دلِ ناکام نہیں
اپنی تقصیر ہے یہ، گردشِ ایام نہیں

اے مسیحا کبھی تو بھی تو اسے دیکھنے آ
تیرے بیمار کو سنتے ہیں کہ آرام نہیں

ایک وہ جن کے تصرّف میں ہیں سب میخانے
ایک ہم جن کے لیے دُردِ تہِ جام نہیں

مجھ کو یہ غم کہ انھیں دیکھنے والے ہیں بہت
اُن کو شکوہ کہ یہاں ذوقِ نظر عام نہیں

سفرِ عشق مُبارک ہو کہ اِس میں کوثر!
غمِ آغاز نہیں، خطرۂ انجام نہیں

○

روشن ہوا اپنی شامِ غریباں کبھی کبھی
آئے نظر جو وہ لبِ خنداں کبھی کبھی

اے دل! اب ان کی ساری جفاؤں کو بھول جا
دیکھا ہے ہم نے ان کو پشیماں کبھی کبھی

ہاری ہے عقل قوت و شوکت کے باوجود
جیتا ہے عشق بے سر و ساماں کبھی کبھی

اے کشتیٔ حیات کے ملاح! غم نہ کھا
ساحل پہ پھینک دیتا ہے طوفاں کبھی کبھی

چارہ گروں کی کوششِ بے کار دیکھ کر
خود درد بن گیا مرا درماں کبھی کبھی

کوثرؔ! رضائے دوست کے احساس کے طفیل
فردوس بن گیا مجھے زنداں کبھی کبھی!

○

مہرباں پھر نگہِ یار نظر آتی ہے
زندگی مطلعِ انوار نظر آتی ہے

تیرے بیمار کی حالت بھی عجب ہے جس کو
ہر دوا باعثِ آزار نظر آتی ہے

کارفرما ہو اگر عشق تو کچھ بات بنے
عقل بے چاری تو لاچار نظر آتی ہے

زندگی ہم نے گزاری ہے کچھ ایسے ڈھب سے
ایک اِک سانس گنہگار نظر آتی ہے

کیسے کیسے ہیں مقاماتِ محبت کوثر
نار بھی صورتِ گلزار نظر آتی ہے

یا جہاں میں صاحبِ تیغ و سپر ہو جائیے
یا شریکِ حلقۂ اہلِ نظر ہو جائیے

خوب ہے منزل بھی لیکن ہائے لطفِ رہروی
دل یہی چاہے کہ سرگرمِ سفر ہو جائیے

ذوقِ سجدہ پر ہے اب سر کا اُٹھانا بھی گراں
اے جبینِ شوق! ان کا سنگِ در ہو جائیے

کیا کریں طائر اگر خود باغباں کا حکم ہو
باغ میں رہیے مگر بے بال و پر ہو جائیے

کائناتِ حسن ہے کوثرؔ یہ حسنِ کائنات
دل یہ کہتا ہے کہ سرتاپا نظر ہو جائیے

جب بھی گزرے ہوئے ایام کی یاد آتی ہے
مجھ کو اپنے دلِ ناکام کی یاد آتی ہے

تو اُبھرتا ہوا سُورج ہے میں ڈھلتی ہُوئی دُھوپ
کس کو ہنگامِ سحر شام کی یاد آتی ہے

جب بھی ہوتا ہے یہ احساس کہ آباد ہیں ہم
اُجڑے اُجڑے سے درو بام کی یاد آتی ہے

کیسا آزار ہے یہ مُجھکو بتاؤ کوثر
ہر گھڑی ایک حسیں نام کی یاد آتی ہے

جو لوگ محبت کا چلن عام کریں گے
بے شک وہ زمانے میں بڑا کام کریں گے

اس جلوۂ معنی کو جو مستور ہے اب تک
ہم رُوکشِ خورشیدِ سرِ بام کریں گے

دُشوار ہے ہر چند رہِ عشق میں چلنا
جاں دے کے بھی یہ کوششِ ناکام کریں گے

جس بات پہ ہے چیں بجبیں ساری خدائی
وہ بات ہم اے گردشِ ایام! کریں گے

ہم آبلہ پایانِ رہِ شوق ہیں کوثر
ہر وادیٔ پُرخار کو گلفام کریں گے

دِل ناشاد کو وہ شاد کریں یا نہ کریں
کیا خبر اب کوئی بیداد کریں یا نہ کریں

اس میں تکلیف بھی ہے قلب کی تالیف بھی ہے
مشورہ دو کہ انھیں یاد کریں یا نہ کریں

کچھ بتا اے غمِ جاناں! کہ ترے دیوانے
دل کے ویرانے کو آباد کریں یا نہ کریں

ہم بھلا کون! کہ شکوہ کریں ان کا کوثر
ان کی مرضی ہے ہمیں یاد کریں یا نہ کریں

اُس کو لاحق غمِ گُل ہے، اُسے فکرِ گلشن
بلبلِ زار سے شاعر کی نوا ملتی ہے

اب کہاں دردِ محبت کی دوا ملتی ہے
جو ملے اہل سے دُکھن دل کو سوا ملتی ہے

غیر کو راحتِ جاں کذب و ریا سے حاصل
اور مجھے جُرمِ صداقت کی سزا ملتی ہے

تیرے بیمار کو دیکھا تو طبیبوں نے کہا
جز غمِ عشق ہر اک دُکھ کی دوا ملتی ہے

جی میں آتا ہے کہ اے برق! تجھے پیار کروں
تجھ سے کچھ اس بُتِ کافر کی ادا ملتی ہے

ہر نفس وقفِ غمِ زیست ہُوا ہے کوثر
جانے کس جُرم کی انساں کو سزا ملتی ہے

جو لوگ میری نظر میں سما نہیں سکتے
وہ دل کے گوشۂ خلوت میں آ نہیں سکتے

گلی گلی سے شراروں کے پھول جھڑتے ہیں
بہار ہے کہ خزاں ہم بتا نہیں سکتے

جو کل چمن میں بہاروں کے گیت گاتے تھے
زباں تک آج فغاں بھی وہ لا نہیں سکتے

دل و جگر کے لہو کی ہے داستاں کوثر
ہم اپنے غم کا فسانہ سنا نہیں سکتے

ہر روش زندگی سے خالی ہے
کون اِس باغِ دل کا مالی ہے

کیا ارادے ہیں قافلے والو!
دُور منزل ہے رات کالی ہے

مژدہ اے عشق! تیرے سانچے میں
گردشِ وقت ڈھلنے والی ہے

لب پہ آنے سے پیشتر اکثر
آپ کی بات میں نے پالی ہے

ساتھ بُلبُل کے نوحہ خواں کوثر
پتّی پتّی ہے، ڈالی ڈالی ہے

ضبط پر مجبور جب میری زباں ہونے لگی
دل کی بے چینی نگاہوں سے عیاں ہونے لگی

ڈر رہا ہوں ذہن ہو جائے نہ پیری کا شکار
کیوں مرے سینے میں ہر خواہش جواں ہونے لگی

تیری دُھن میں جب ترے دیوانے جا پہنچے وہاں
ریت صحرا کی حریر و پرنیاں ہونے لگی

آہ پر نگرانیاں ، فریاد پر پابندیاں
بے زبانی اب گلستاں کی زباں ہونے لگی

آ گیا شاید دیارِ دوست اے کوثرؔ قریب
دل کی ہر دھڑکن خوشی سے نغمہ خواں ہونے لگی
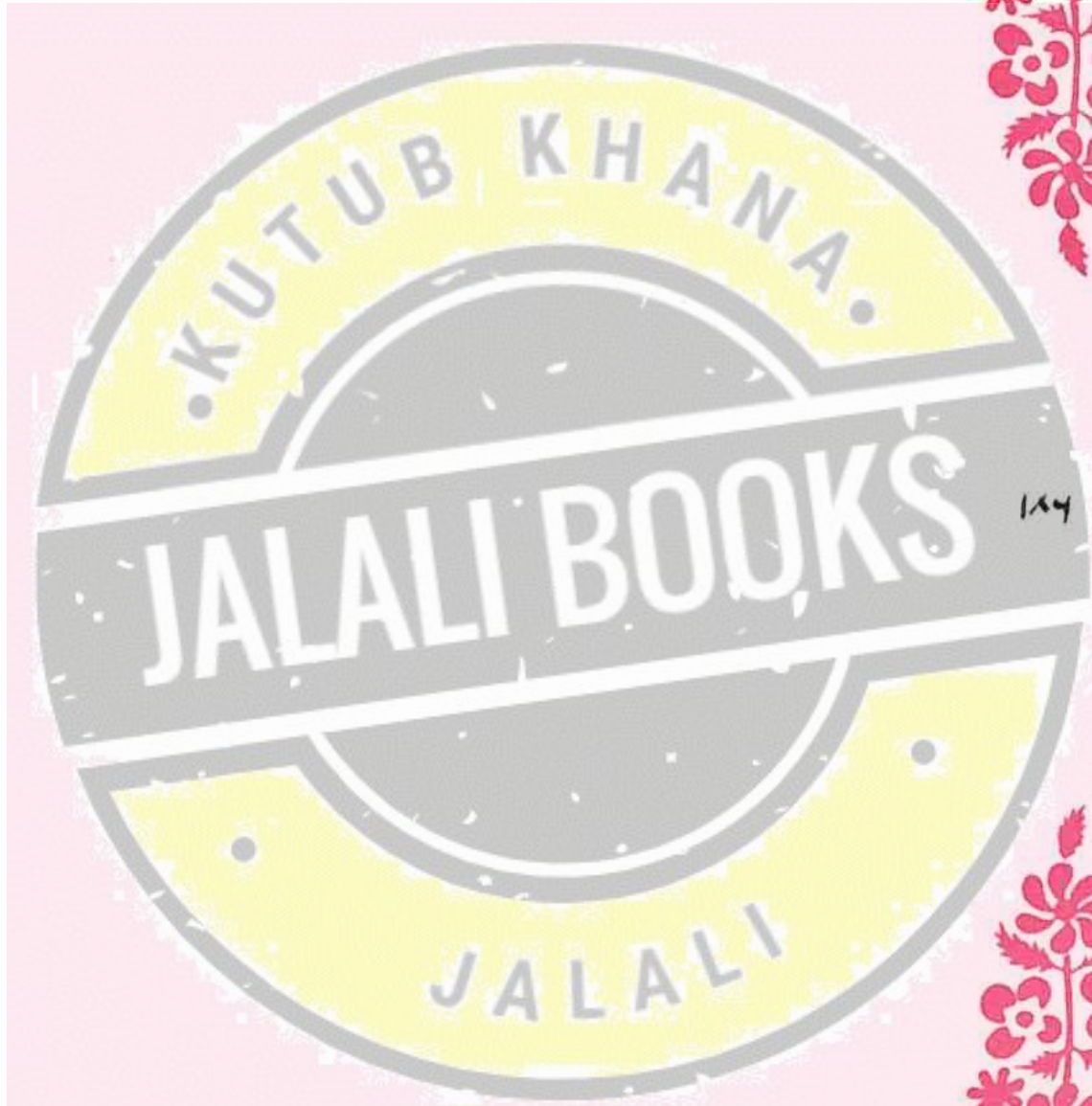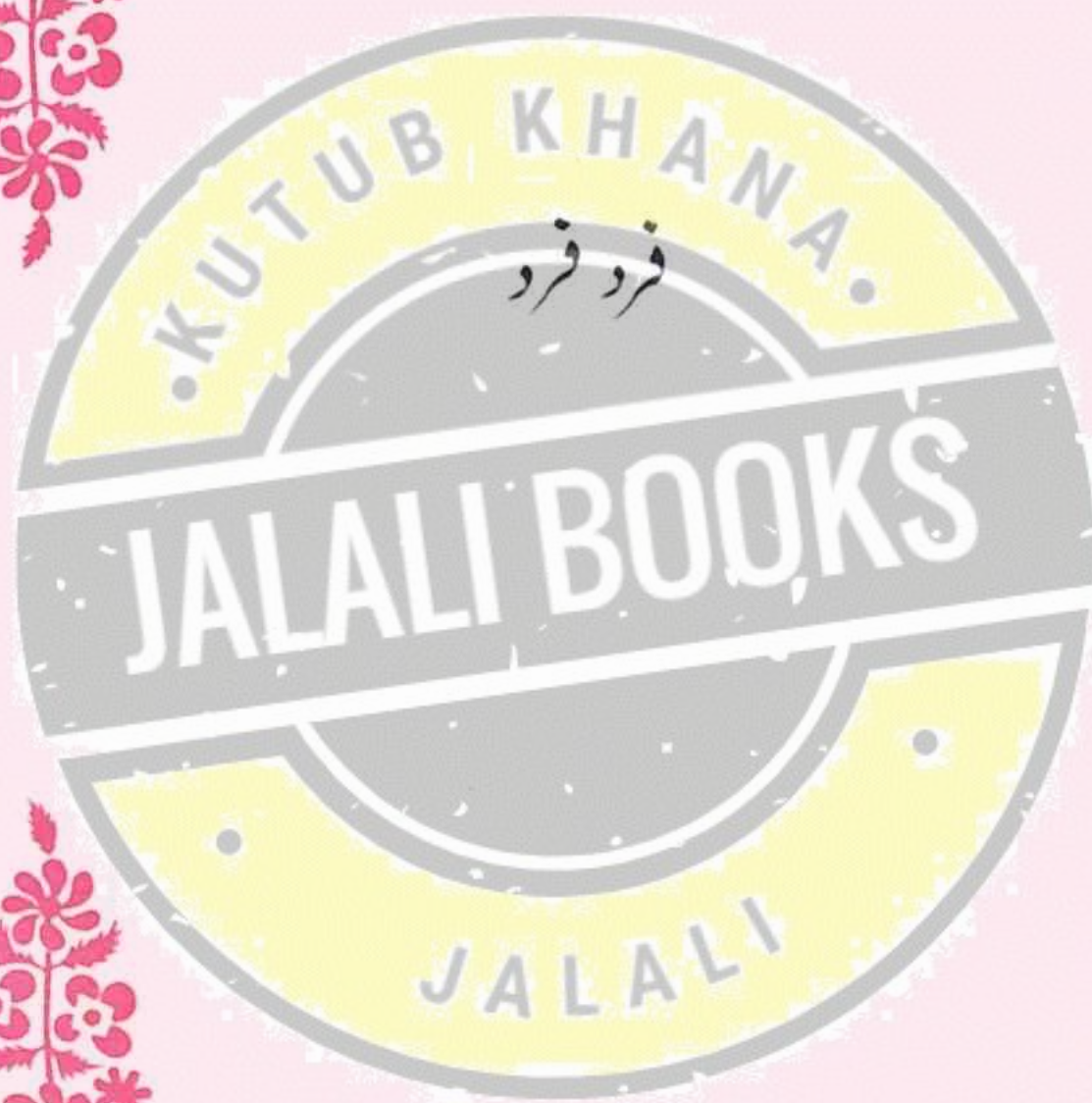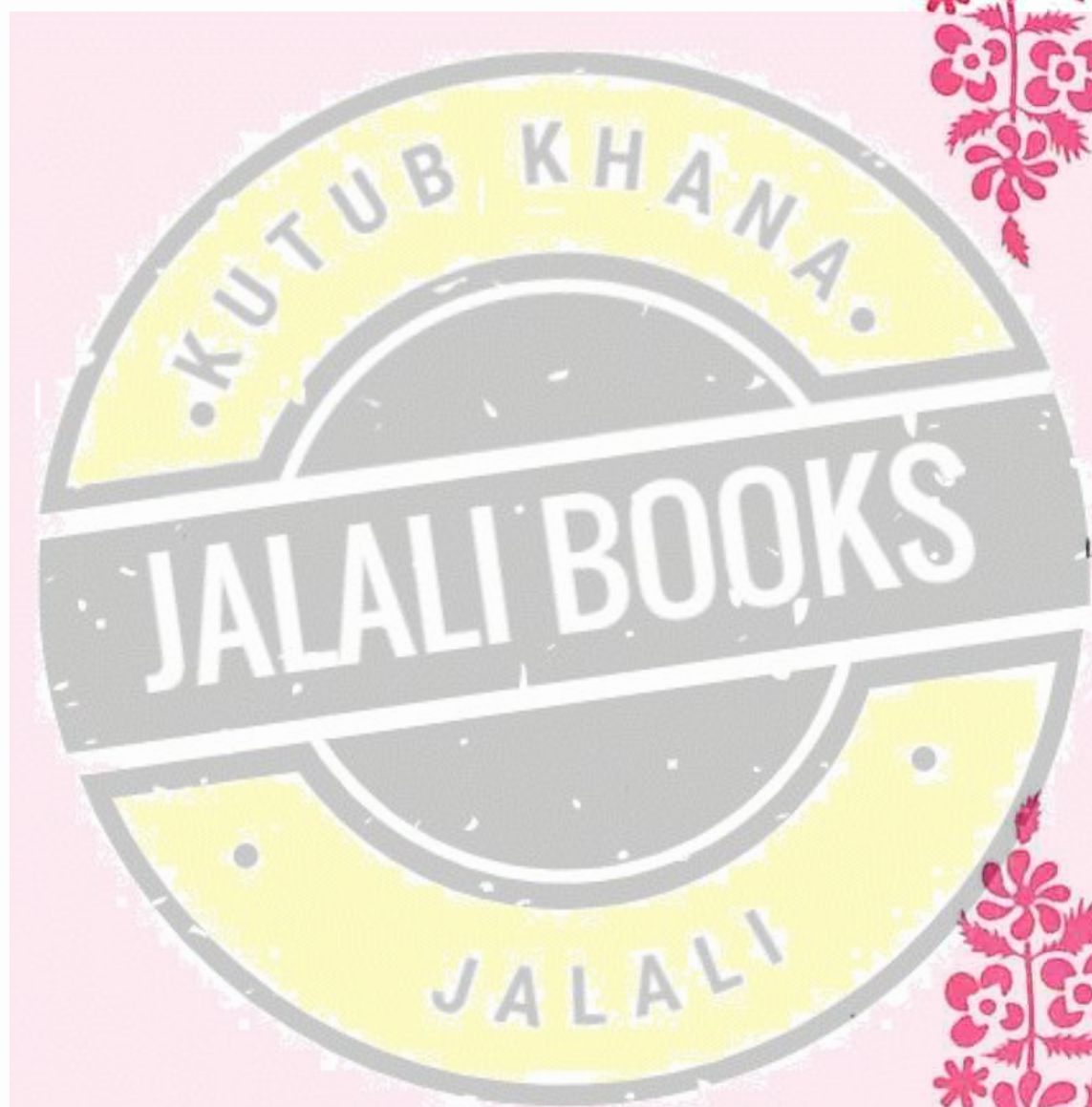
تُوہی بتا اے دلِ سخنور! کوئی بھروسہ کرے تو کس پر
کہ بڑھ کے رندوں سے پارسا ہیں قتیلؔ انداز کا فسانہ

سکونِ زیست عبارت ہے زخم کھانے سے
یہ بات ناصحِ ناداں کو کون سمجھائے

تمام رات لبھاتی رہی چمک ان کی
سحر ہُوئی تو ستارے بھی ساتھ چھوڑ گئے

نشانۂ ستمِ روزگار ہیں ورنہ
ترے فقیر کچُھ ایسے بھی کم نصیب نہیں

خُدا سے عہدِ غُلامی، بتوں سے رازو نیاز
جہاں میں ایسے مسلماں بھی پائے جاتے ہیں

بنو وہ خُون کہ نبضِ جہاں میں دوڑ سکو
بنو وہ ابر کہ دُنیائے دُوں پہ چھا جاؤ

دُنیا میں ہے سب کچھ لیکن
اُلفت کی سوغات نہیں ہے

بازیٔ اُلفت اللہ اللہ
جیت نہیں ہے ہار نہیں ہے

اک دوراہے پہ کھڑی سوچ رہی ہے دُنیا
کھوکھلی ظُلم کی دیوار بھی ہوگی کہ نہیں

کسی کے تیرِ نظر کو نگاہ میں رکھنا
کبھی جو سینہ و قلب و جگر کی بات چلے

بہت بلیغ تھی تقریر گرچہ واعظ کی
مگر جو دل سے نکلتی تو کچھ اثر ہوتا

ابھی حیات کو تاریکیوں نے گھیرا ہے
جدھر بھی آنکھ اُٹھاؤ بڑا اندھیرا ہے
شبِ سیاہ سے اہلِ سفر نہ گھبرائیں
شبِ سیاہ کی آغوش میں سویرا ہے
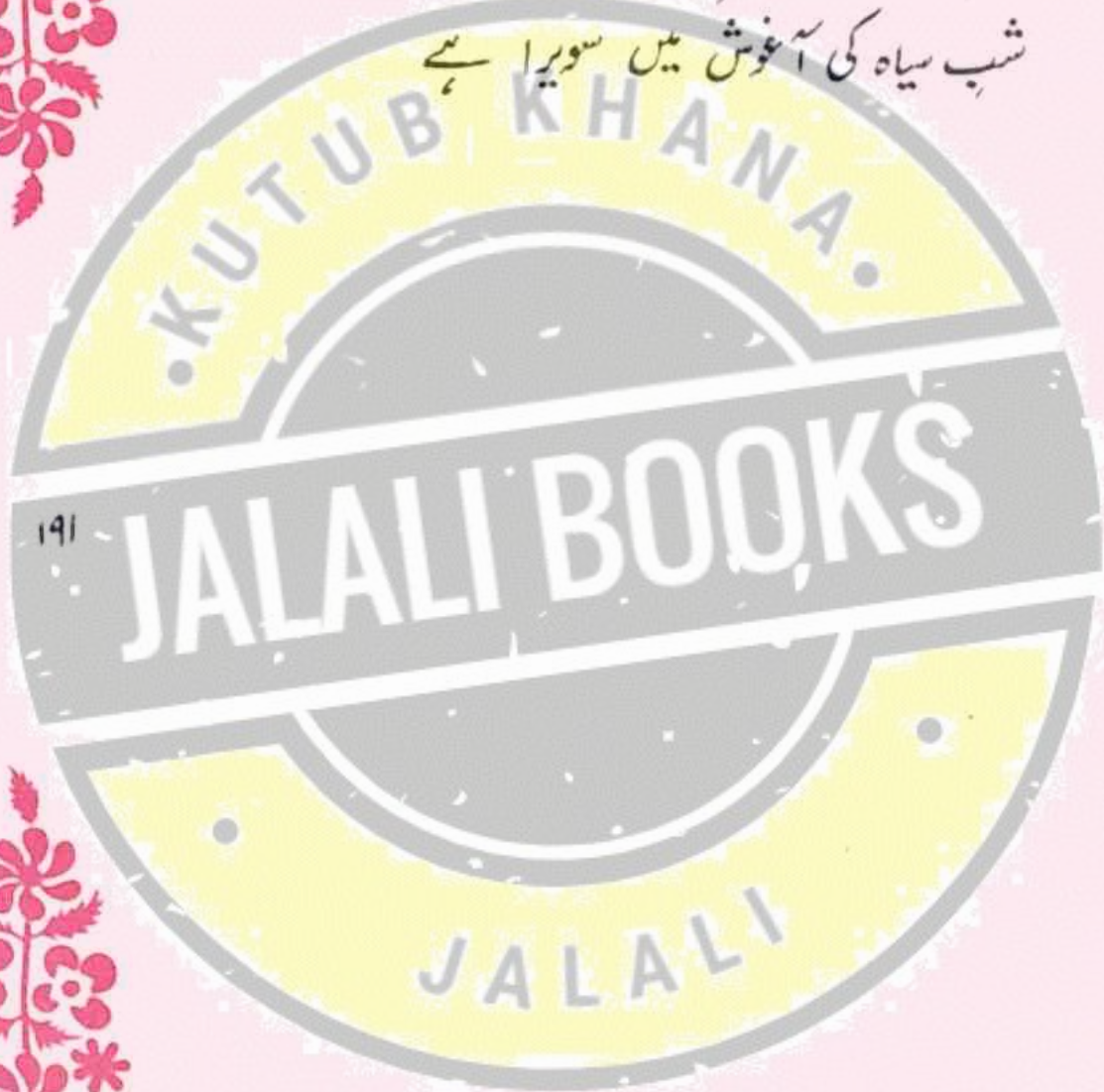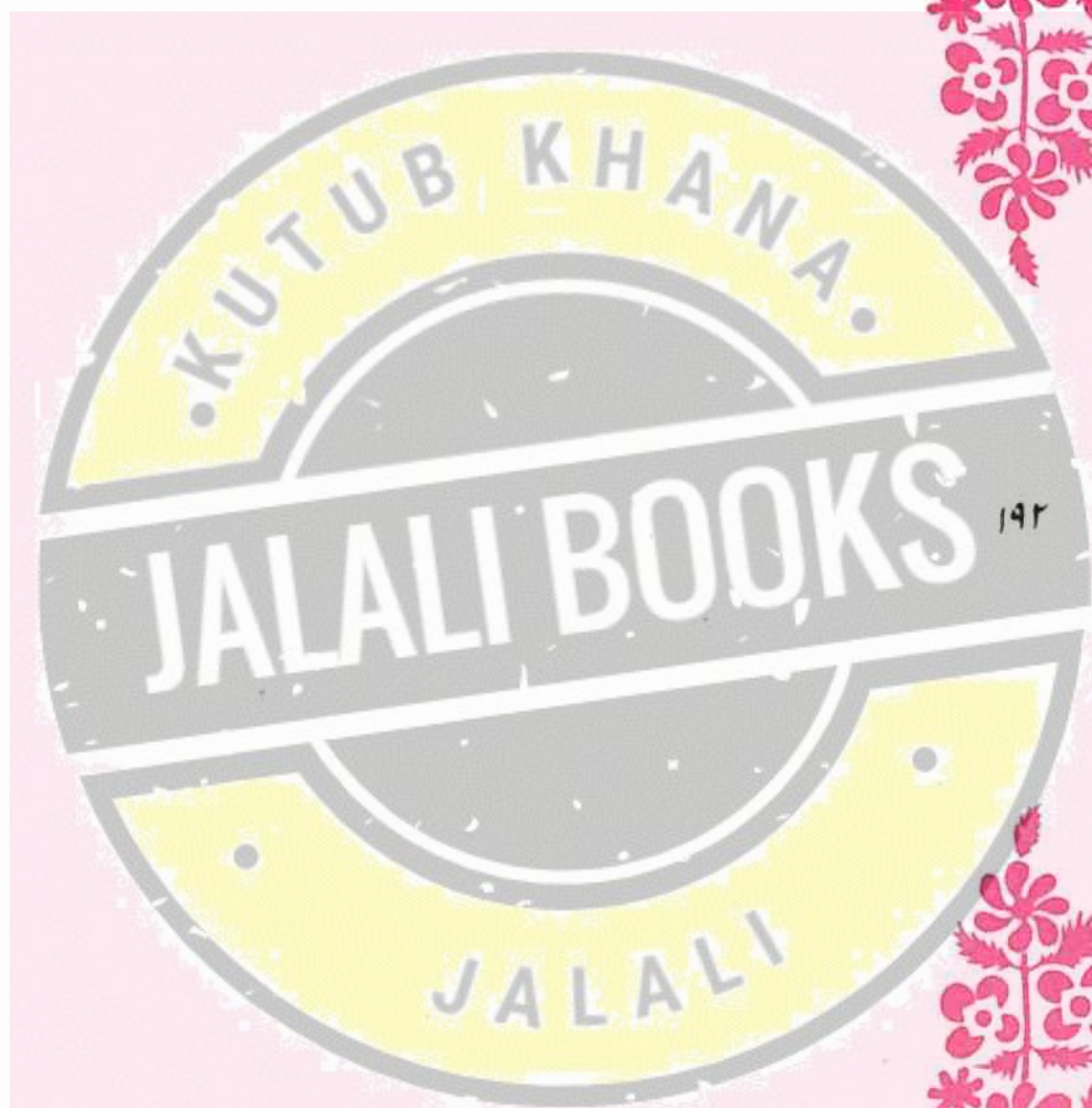
فہرست

	بارِ دگر		۵
	پیش لفظ	حضرت جوش ملیح آبادی	۷
	حرفِ آغاز		۹
○	ذکرِ جمیل (نعتیں)		۱۵
۱-	دل آپ کا ہے اس کی نہ تقسیم کریں گے		۱۷
۲-	میرے لیے ہر گلشنِ رنگیں سے بھلی ہے		۱۸
۳-	مجھ سے سیہ کار کے دل میں بھی وہ ہوتے ہیں مکیں		۱۹
۴-	نازاں ہے جس پہ حسن وہ حسنِ رسولؐ ہے		۲۱
۵-	غمگیں دلوں کو امن و سکوں کا پیام ہے		۲۳
۶-	ہوا یہ راز عیاں آخری پیام کے ساتھ		۲۴
۷-	آدمیت کی علامت ہے ولائے مصطفیٰؐ		۲۵
۸-	جادو نہ چلا مجھ پہ جو دنیا طلبی کا		۲۶
۹-	دنیا کی محبت ہے نہ کچھ یادِ بتاں ہے		۲۷
۱۰-	طیبہ کے لیے آنکھ لگی اشک بہانے		۲۸

۱۱- خداوندا! ہمیں نصرت عطا کر ۲۹

۱۲- خورشیدِ رسالت کی شعاعوں کا اثر ہے ۳۰

فکر وفن (غزلیں) ۳۱

۱- اپنوں کی شکایت ہے نہ غیروں کا گلہ ہے ۳۳

۲- فطرت کا وہ پیمانِ وفا یاد نہیں ہے ۳۴

۳- کب زمانے کی جفاؤں کا گلہ کرتے ہیں ۳۵

۴- زندگی وقفِ غم وآلام ہو کر رہ گئی ۳۶

۵- شہرت وعزّت نہ تاج وتخت و دولت چاہیے ۳۷

۶- خیالِ ترکِ اُلفت ہم نشینو! آ ہی جاتا ہے ۳۸

۷- کعبہ ودیر کو میخانہ بنا دیتے ہیں ۳۹

۸- ذرّے میں بھی ہے وسعتِ صحرا کہیں جسے ۴۰

۹- نگاہوں کی دولت، ادا کے خزینے ۴۱

۱۰- نوائے قمری وصوتِ ہزار کی باتیں ۴۲

۱۱- آلام ومصائب سے ڈرنا، اربابِ طلب کی بات نہیں ۴۳

۱۲- نہ حُسن وعشق، نہ شعر وسخن کی بات کرو ۴۴

۱۳- نشانِ پا کو قیام وثبات کیا ہوگا ۴۵

۱۴- شرافت اس طرح ہو بے سہارا ہو نہیں سکتا ۴۶

۱۵- مل جُل کے ارضِ پاک کو رشکِ اِرم کریں ۴۷

۱۶۔ تا بکے درد کی دوا کرتے ۴۸
۱۷۔ بے آسرا ہیں لوگ سہاروں کے باوجُود ۴۹
۱۸۔ گرتے ہوئے جب میں نے ترا نام لیا ہے ۵۰
۱۹۔ جلوہ فرما ہیں سرِ بزم تو پنہاں کیوں ہیں ۵۲
۲۰۔ دل کو جو دیکھیے تو محبّت بھی کم نہیں ۵۳
۲۱۔ عشق کا فرض کچھ اس طرح ادا ہوتا ہے ۵۵
۲۲۔ مُلّا و برہمن نہ تھے، دیر و حرم نہ تھے ۵۷
۲۳۔ نرغے میں جو حق ہے تو نئی بات نہیں ہے ۵۹
۲۴۔ اب کیا ہوگی آس ۶۰
۲۵۔ واعظ یہ تری شوخیٔ گفتار نہ ہوگی ۶۱
۲۶۔ شب کو جب گورِ غریباں سے ہوا آتی ہے ۶۳
۲۷۔ آبادیٔ گلشن کا ساماں اے بُلبلِ گریاں ہوتا ہے ۶۵
۲۸۔ اللہ اللہ یہ فریبِ نظر ۶۶
۲۹۔ باغباں کے طور یہ سمجھا گئے ۶۸
۳۰۔ ان سے مل کر بھی نہ راحت ہوگی ۷۰
۳۱۔ نفس نفس میں بسا چکا ہوں میں جب سے اس پیرہن کی خُوشبُو ۷۲
۳۲۔ بے سبب آج آنکھ پُرنم ہے ۷۳
۳۳۔ خوبصورت ہیں تو کتنے ہیں یہ سوچا ہی نہیں ۷۴

۳۴- جب تک آپ کے رُخ کی چاندنی نہیں ہوگی ۷۵

۳۵- آپ کی یادِ عناں گیر نہ ہو جائے کہیں ۷۶

۳۶- ہم دل کی تباہی کا یہ ساماں نہ کریں گے ۷۷

○ رحیل (نظمیں) ۷۹

۱- جمہوریہ اسلامیہ کی پہلی عید ۸۱

۲- ہلالِ عید سے ۸۳

۳- ذکرِ حسینؓ ۸۵

۴- اے قائدِ اعظمؒ ۸۸

۵- شہیدانِ الجزائر ۹۰

۶- بحضرتِ اقبالؒ ۹۲

۷- وادیٔ کاغان کی یاد ۹۴

۸- مزارِ شہید پر ۹۶

○ جگرِ لخت لخت ۹۹

اے غمِ دوست! آ گلے لگ جا ۱۰۱

ہمیشہ بے بسی میں کچھ سہارے یاد آتے ہیں ۱۰۳

○ برگِ گل ۱۰۴

○ نغمۂ زنداں (غزلیں) ۱۰۵

۱- اس ملک پہ مولا کا کرم ہو کے رہے گا ۱۰۷

۲۔ نہاں گر اس میں صدائے جرس کی بات نہیں ۱۰۸
۳۔ روشنی نے یہ گل کھلائے ہیں ۱۰۹
۴۔ جب زیست کے مشکل لمحوں میں اپنے بھی کنارا کرتے ہیں ۱۱۰
۵۔ کبھی جو نکہتِ زلفِ نگار آئی ہے ۱۱۱
۶۔ مریضِ غم کی جو بالیں سے جانے لگتے ہیں ۱۱۳
۷۔ پل کر جواں ہوئے جو بہاروں کی گود میں ۱۱۵
۸۔ عروسِ نو سے کوئی ہم کنار ہوتا ہے ۱۱۶
۹۔ ڈھیر دکھلا کے وہ کہنے لگے پروانوں کا ۱۱۷
۱۰۔ زہرِ اجل ہے چشمۂ حیواں ترے بغیر ۱۱۸
۱۱۔ کوچۂ یار میں گدائی کی ۱۱۹
۱۲۔ وہ دل جو محبّت کا گنہگار نہیں ہے ۱۲۰
۱۳۔ میرے گلشن میں جو اک پھول مہک جاتا ہے ۱۲۱
۱۴۔ مہرباں وہ بُتِ بے پیر نہیں ہے، نہ سہی ۱۲۲
۱۵۔ حرم کے گوشۂ خلوت سے تا بہ بازار آئے ۱۲۳
کربِ احساس (نظمیں) ۱۲۵
۱۔ اے مری رفیقِ حیات ! ۱۲۶
۲۔ جیل کی ایک رات ۱۲۹
۳۔ مقبرے ۱۳۲

۴۔ شہر کے چوراہے سے — ۱۳۵

۵۔ ایک روٹھے ہوئے دوست کے نام — ۱۳۷

۶۔ نذر — ۱۴۰

۷۔ پردۂ مُستقبل میں — ۱۴۱

۸۔ نظر بند — ۱۴۳

۹۔ رضائے حبیب — ۱۴۴

۱۰۔ نویدِ بخشش — ۱۴۶

۱۱۔ اے ساقی — ۱۴۷

صدائے جرس

۱۴۹

۱۔ بخشواتا مجھے کون آپ کی رحمت کے سوا — ۱۵۱

۲۔ ملے تو اوک سے بھی شغلِ بادہ رکھتے ہیں — ۱۵۳

۳۔ نہ مال و زر کی نہ سیم و گہر کی بات کرو — ۱۵۴

۴۔ دَورِ حاضر میں کہیں، مِصر کا بازار نہیں — ۱۵۵

۵۔ دوائے سیم و گہر ہے علاجِ دردِ جگر — ۱۵۶

۶۔ غلام نفس بھی ہیں، بندۂ صنم بھی ہیں — ۱۵۸

۷۔ یہ درد سراپا راحت ہے، اُس درد میں راحت کچھ بھی نہیں — ۱۵۹

۸۔ روشنی کا کسی عنوان بھی ساماں نہ ہُوا — ۱۶۰

۹۔ رہبروں کی فریب کاری نے — ۱۶۱

۱۰- قائدینِ کرام کے وعدے ۱۶۲

۱۱- تری نظر جو اُٹھی زلفِ کیف سُلجھانے ۱۶۳

۱۲- اہلِ جنوں سے راہ گزاروں کی آبرو ۱۶۴

۱۳- بیانِ بادۂ گلفام و ذکرِ وصلِ حبیب ۱۶۵

۱۴- اے دوست جذبِ عشق کی منزل ابھی کہاں ۱۶۶

۱۵- کچھ غمِ جاناں کچھ غمِ دوراں ۱۶۷

۱۶- عیش و عشرت کے تقاضوں سے گریزاں رہنا ۱۶۸

۱۷- جس خیاباں پہ تھا جنّت کا گماں اے ساقی ۱۶۹

۱۸- ہر وہ لمحہ ہے مرا کفر میں شامل اے دوست ۱۷۱

۱۹- قرارِ عشق کو اک لحظہ بھی نصیب نہیں ۱۷۳

۲۰- دنیا مرے حالات بگاڑے کہ بنائے ۱۷۴

۲۱- بات قسمت کی تو کچھ اے دلِ ناکام نہیں ۱۷۵

۲۲- روشن ہوا اپنی شامِ غریباں کبھی کبھی ۱۷۶

۲۳- مہرباں پھر نگہِ یار نظر آتی ہے ۱۷۷

۲۴- یا جہاں میں صاحبِ تیغ و سپر ہو جایئے ۱۷۸

۲۵- جب بھی گزرے ہوئے ایّام کی یاد آتی ہے ۱۷۹

۲۶- جو لوگ محبّت کا چلن عام کریں گے ۱۸۰

۲۷- دلِ ناشاد کو وہ شاد کریں یا نہ کریں ۱۸۱

۲۸- اب کہاں دردِ محبّت کی دوا ملتی ہے ۱۸۲

۲۹- جو لوگ میری نظر میں سما نہیں سکتے ۱۸۳

۳۰- ہر روش زندگی سے خالی ہے ۱۸۴

۳۱- ضبط پر مجبُور جب میری زباں ہونے لگی ۱۸۵

فرد فرد ۱۸۷

زرِگُل

پر

چند تبصروں سے اقتباسات
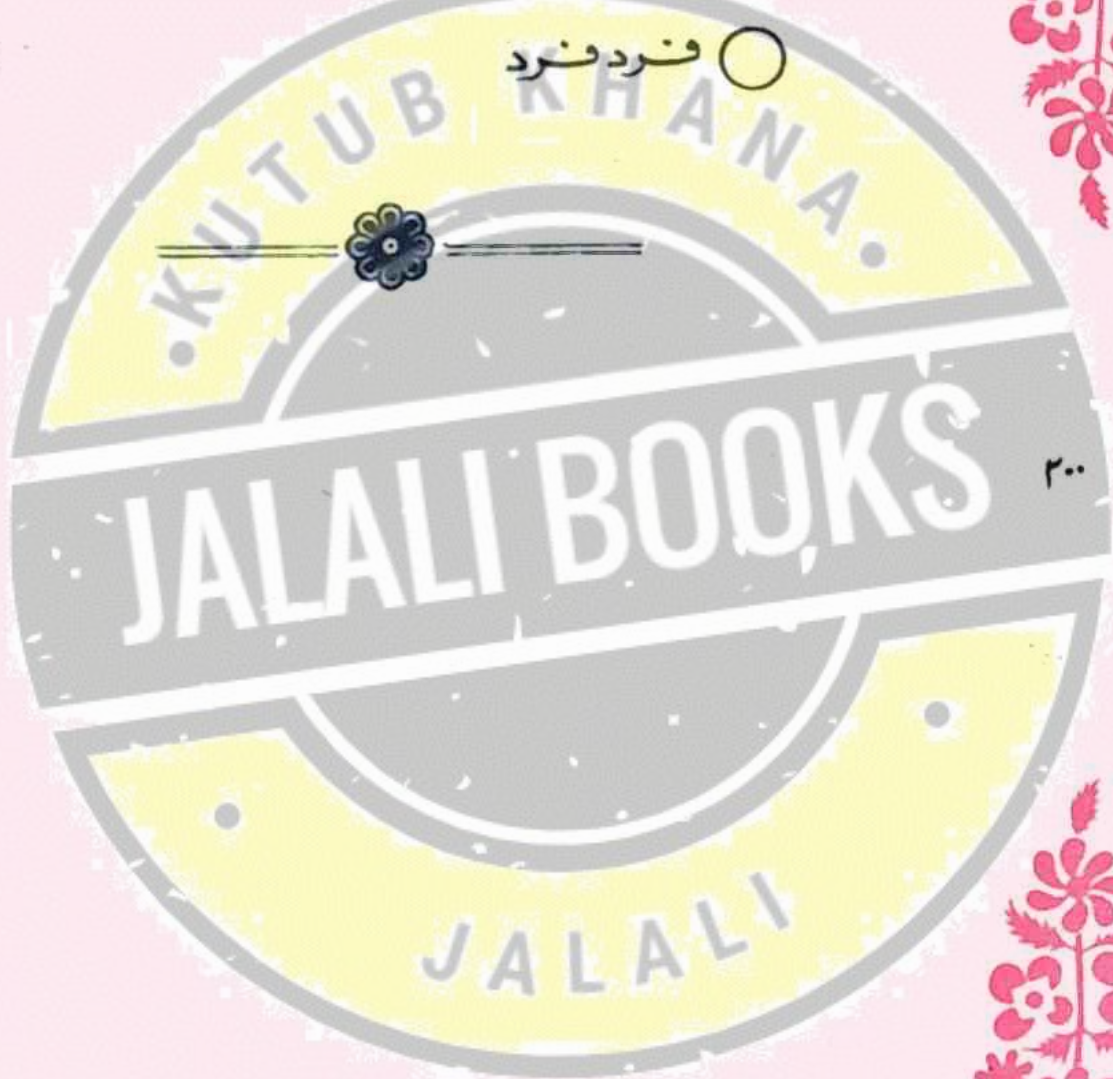
"زرِگُل" کے اوراقِ مصفّیٰ کی ورق گردانی کی اور اس سرور و انبساط
کے عِلاوہ جو کتاب کی فی الجملہ دیدہ زیبی سے حاصل ہوا، بڑا مزا ان رِشتوں
سے آشنائی کا ہے جن کی رُوداد ان اوراق میں بیان ہُوئی ہے۔ ہر
رشتے کی اساس شاعر کے اس خلوص اور شیفتگی پر ہے، جو شاعر کے مزاج
کا جزوِ لازم ہے اور ہر رشتے میں بعض واضح آداب ملحوظ رکھے گئے ہیں۔

پروفیسر سیّد وقار عظیم
۱۰۔ جون ۱۹۷۳ء

کوثر نیازی صاحب کے مجمُوعۂ کلام "زرِگُل" کی اشاعت سے مجھے
ذاتی طور پر بڑی مسرت ہُوئی ہے کیونکہ اس طرح ایک عزیز اور دوست کی تخلیقی
صلاحیتوں کا حسین مُرقع سامنے آیا ہے اور ساتھ ہی وہ روایت بھی
زندہ ہوئی، جو ہمارے مخلص سیاسی رہنماؤں نے تخلیقِ فن اور شعر و شاعری
سے عملی طور پر دلچسپی لے کر قائم کی تھی۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی
روزنامہ "مشرق"
۱۶۔ ستمبر ۱۹۷۳ء

یوں لگتا ہے جیسے مولانا شروع ہی سے مقصدی شاعری کی طرف
مائل رہے ہیں۔ "زرگُل" ایسی نظمیں ہیں جو انسان کے دینی و مِلّی جذبات کی

عکاسی کرتی ہیں۔

یعقوب ہاشمی
ریڈیو پاکستان (راولپنڈی)

مولانا کی اوّلین دَور کی شاعری میں ان پر مقصدیت کا غلبہ ہے لیکن بہت جلد فنی توازن و احتیاط ان کی شاعری میں جھلکنے لگتی ہے جس کے سبب وہ وعظ خشک اور پندِ ثقیل بنتے بنتے رہ گئی۔

عاصی کرنالی
ریڈیو پاکستان (ملتان)

"زرِگل" مولانا کوثر نیازی کی غزلوں، نظموں اور قطعات کا ایک دلآویز مجموعہ ہے۔

پروفیسر سید خلیل احمد
ریڈیو پاکستان (کوئٹہ)

مولانا کی غزل بڑی جاندار ہے۔ ان کی غزل کے بارے میں امین احسن اصلاحی کا یہ فقرہ بامعنی ہے "غزل کا انداز حسرت کا اور جذبات محمد علی جوہر کے۔"

ذاتی طور پر میں سمجھتا ہوں کہ ان پر علامہ اقبال کے فکر کی چھاپ گہری ہے۔

خاطر غزنوی
ریڈیو پاکستان (پشاور)

اس مجموعے کی پیش کاری سے نہ صرف مولانا کوثر نیازی کی شاعری کا تدریجی ارتقا سامنے آتا ہے بلکہ اس سے شاعر کے فنکارانہ مستقبل کی راہیں بھی متعیّن کی جا سکتی ہیں۔

پروفیسر جمیل ملک
راولپنڈی۔

"زرِگُل" کا مطالعہ ایک ایسی شخصیت کا مطالعہ ہے جس میں تنوع اور رنگا رنگی کارفرما ہے اور جو کئی اعتبار سے جاذبِ توجّہ ہے۔

سلیم احمد
ریڈیو پاکستان (کراچی)
۱۵۔ جون ۱۹۷۳ء

"زرِگُل" میں مولانا کوثر نیازی کی شعری شخصیت کا پورا ارتقا ملتا ہے۔ یہ شاعری میں ایک نئی آواز ہے۔ تازہ اور بلند۔ اگر شاعر اربابِ اقتدار میں سے نہ ہوتا تو شاید اس مجموعے کی اشاعت سے ایک دھوم مچ جاتی۔

روزنامہ "نوائے وقت" راولپنڈی
۹۔ دسمبر ۱۹۷۳ء

شاعر تلخیوں کو مصلحتوں کے بغیر محسوس کرتا ہے، پھر اسے اپنے قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اب دیکھنا قارئین کا اور عوام کا منصب ہے کہ شاعر کوثر نیازی اور وزیر کوثر نیازی میں کتنا فاصلہ ہے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ اندر کا شاعر، وزیرِ محترم کو سچائیوں کا احساس نہ دلاتا ہو۔

محمود شام
اخبارِ جہاں۔ ۲۳ جنوری ۷۴ء